مَن یُرِدِ اللهُ بِهٖ خَیرًا یُفَقِّهْهُ فِی الدِّینِ (الحدیث)

القواعد الفقهية

اردو زبان میں فقہ کے 75 اہم قواعد کی تشریح اور قرآن وسنت کی مثالوں سے وضاحت

اہل علم اور باذوق قارئین کیلئے انمول تحفہ

تالیف
الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ واضافہ وتحقیق
افضل سہیل حفظہ اللہ

دار الابلاغ
DARULIBLAGH
کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

2019ء

القواعد الفقهية

تالیف ——— الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ
ترجمہ واضافہ وتحقیق ——— افضل سہیل حفظہ اللہ

پاکستان میں ہماری کتب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

- لاہور۔ البلاغ (جیل روڈ 35717842 گلبرگ 35717842) البدر پبلی کیشنز 0333-4173066
- راولپنڈی۔ تحمیلات طیبہ کشمیری بازار 5535168 دار الفکر اسلامی 0321-5216287 مکتبہ عائشہ 0321-5075075
- اسلام آباد۔ المسعود اسلامک بکس 2261356 البلاغ 2281420 دار السلام شوروم 0321-5370378 الھدیٰ انٹرنیشنل 4434615, 0321-8014008
- کراچی۔ فضلی سنز 32212991 علمی کتب خانہ 32628939
- فیصل آباد۔ مکتبہ اسلامیہ بیرون امین پور بازار، 631204۔ مکتبہ اہلحدیث امین پور بازار 0300-6628021
- پشاور۔ معراج کتب خانہ 214720۔ واہ کینٹ: البلاغ 051-4541148

ضروری نوٹ: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور انسانی بساط وطاقت کے مطابق ہم نے اس کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ خاص طور پر عربی عبارات میں تصحیح اغلاط میں پوری طرح احتیاط کی ہے۔ لیکن پھر بھی بشری تقاضے کے تحت اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں۔
آئندہ ایڈیشن میں اس کا ازالہ کردیا جائے گا۔ ان شاء اللہ (ادارہ)

ناشر
دار الابلاغ
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
ہادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان
0423-7361428
0300-4453358

سلسلہ تیسیر طلب علم 2

مَن یُرِدِ اللہُ بِهِ خَیرًا یُفَقِّهْهُ فِی الدِّینِ (الحدیث)

القواعد الفقهية

اردو زبان میں فقہ کے 75 اہم قواعد کی تشریح اور قرآن وسنت کی مثالوں سے وضاحت

اہل علم اور باذوق قارئین کیلئے انمول تحفہ

تالیف الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ تعالی
ترجمہ واضافہ وتحقیق افضل سہیل حفظہ اللہ مدرس دارالعلوم محمدیہ شیخوپورہ

دارالابلاغ
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
… غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان
0423-7361428
0300-4453358
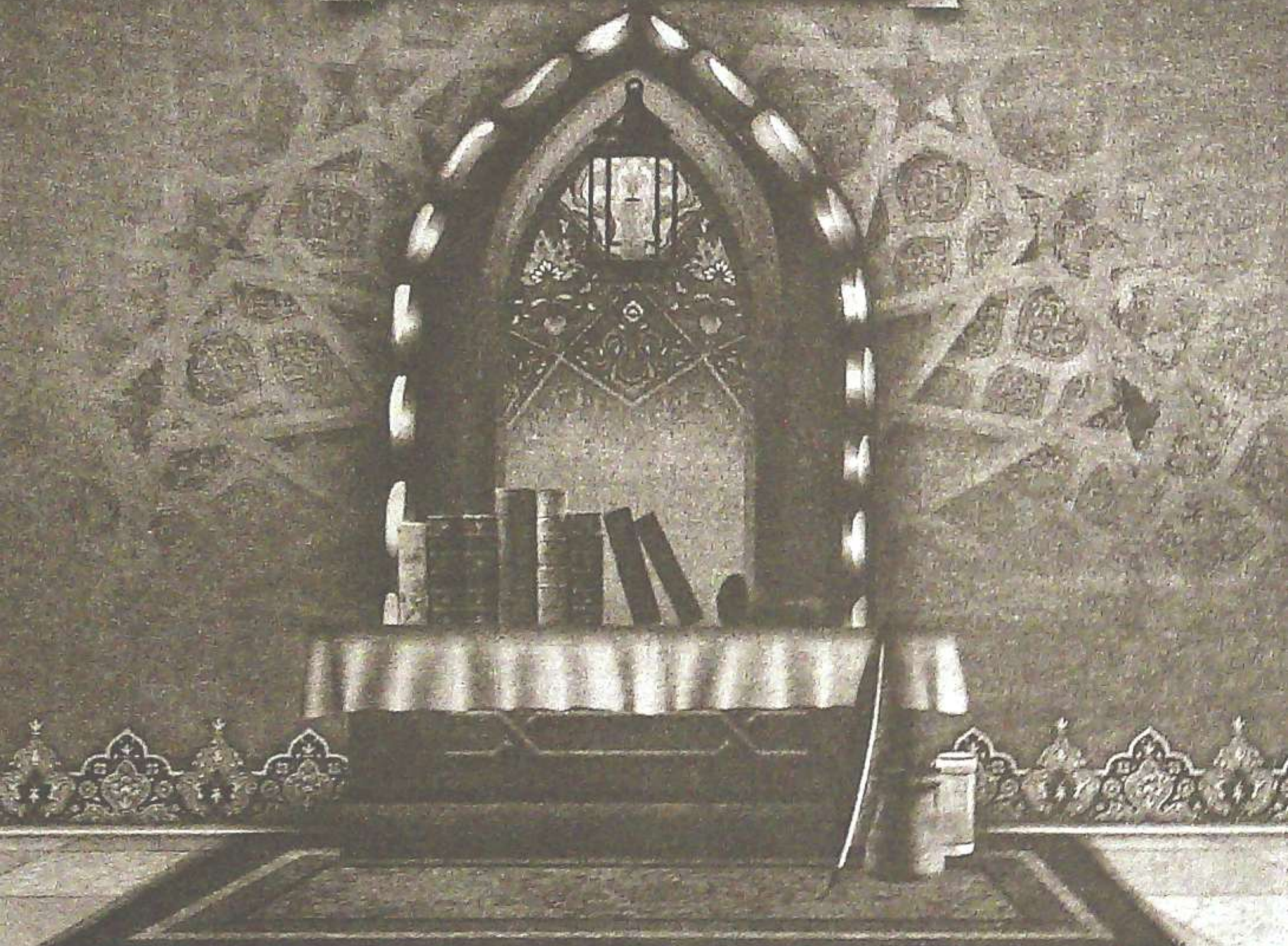
اللہ

کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا ہی مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ

اللہ تعالی جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے
اسے دین کی سمجھ عنایت کر دیتا ہے۔

رواہ البخاری (رقم الحدیث 72)

فہرست مضامین

- حرفِ تمنا: مروجہ فقہ نہیں لیکن قرآن وسنت کی روشنی میں قواعد 9
- قواعد فقہیہ کا تعارف [حافظ افضل سہیل] 10
- تقریظ از: [محمد مالک بھنڈر ﷾] 19
- تقریظ از: [رحمت اللہ شاکر ﷾] 21
- تقریظ از: [حکیم اشفاق احمد ﷾] 23
- قاعدہ 1: دین آیا ہے انسانوں کی خوش بختی کیلئے (اور ان سے شر اور نقصان دور کرنے کیلئے) 24
- قاعدہ 2: نہ ضرر پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے 25
- قاعدہ 3: مفاسد کو رفع کرنا حصول منفعت سے اولیٰ ہے 28
- قاعدہ 4: دینی تکالیف آسان ہیں 31
- قاعدہ 5: جب بھی مشقت ہوگی تو اس کے ساتھ سہولت بھی ہوگی 32
- قاعدہ 6: تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنی تم طاقت رکھو 38
- قاعدہ 7: شرع نہیں لازم ہوتی علم سے پہلے 40
- قاعدہ 8: جہالت محل نظر ہے 43
- قاعدہ 9، 10: ضرورت کے وقت حرام چیز مباح ہو جاتی ہے 44
- قاعدہ 11: نہی فساد کا تقاضا کرتی ہے 51
- قاعدہ 12: ہر نہی (ممانعت) لوٹنے والی ہے ذات کی طرف 54
- قاعدہ 13: اشیاء میں اصل حلت ہے 55
- قاعدہ 14: عبادات میں اصل چیز منع ہے 57

- قاعدہ 15: شک کے وقت اصل کی طرف رجوع کرنا 59
- قاعدہ 16: امر اور نہی کی اصل، یقین اور پختگی پر ہے 60
- قاعدہ 17: مندوب 61
- قاعدہ 18: نبی کریم ﷺ کا فعل 64
- قاعدہ 19: جب مصالح متعارض ہوں تو اعلیٰ کو مقدم کیا جائے گا 66
- قاعدہ 20: جب دو ضرر متعارض ہوں تو تم (شدید ضرر کا) ازالہ کرو اخف کے ساتھ" ... 68
- قاعدہ 21: جب مباح اور حرام چیزیں اکٹھی ہوں تو حرام کا پہلو غالب ہوگا 70
- قاعدہ 22: حکم کا دارومدار علت پر ہے وجود وعدم کے اعتبار سے 72
- قاعدہ 23: شئی جب سبب یا شرط پر مقدم ہو (تو کیا حکم ہے؟)" 74
- قاعدہ 24: شئی پوری نہیں ہوتی مگر یہ کہ اس کی شروط پوری ہوں 76
- قاعدہ 25: ظن معتبر ہے عبادات میں 78
- قاعدہ 26: عبادت سے فراغت کے بعد شک مؤثر نہیں ہوتا 81
- قاعدہ 27: دل اور نفس کی باتیں معاف ہیں مگر جب اس پر عمل یا کلام ہو 83
- قاعدہ 28: امر فور (فوری طور پر عمل) کے لیے آتا ہے 84
- قاعدہ 29: فرض عین اور فرض کفایہ 86
- قاعدہ 30: جب امر واقع ہو نہی کے بعد تو وہ اباحت کے لیے ہے 87
- قاعدہ 31: عبادت کا مختلف طریقوں پر وارد ہونا 89
- قاعدہ 32: سنت کو لازم پکڑنا 90
- قاعدہ 33: صحابی کا قول 92
- قاعدہ 34: ادلہ احکام چار ہیں 93
- قاعدہ 35: ہر عمل کرنے والے کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی 99
- قاعدہ 36: حرام ہے جاری رہنا اس میں جو فاسد ہو جائے 103
- قاعدہ 37: نفل کو قطع کرنا جائز ہے اس کو شروع کرنے کے بعد 105
- قاعدہ 38: گناہ اور ضمان (ذمہ داری) دونوں جہالت کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں 107

- قاعدہ 39: ہر تلف شدہ شئی تو اس کا تاوان ضائع کرنے والے کے ذمہ ہے 110
- قاعدہ 40: ضمان مثل کے ساتھ ہے 112
- قاعدہ 41: جو چیز ماذون پر مترتب ہو اس کا ضمان اور تاوان نہیں ہے 113
- قاعدہ 42: احسان کرنے والے پر کوئی الزام کی راہ نہیں ہے 114
- قاعدہ 43: عقود کی دو اقسام ہیں' 116
- قاعدہ 44: عرف 117
- قاعدہ 45: جو چیز عرف عام میں بہت جانی جاتی ہے وہ طے شدہ شرط کی طرح ہے 119
- قاعدہ 46: تمام عقود ضروری ہے کہ اس شخص کی طرف سے ہوں جو ان کا مالک ہے'' 121
- قاعدہ 47: جس کی رضا غیر معتبر ہے اس کا علم بھی غیر معتبر ہے 122
- قاعدہ 48: دعویٰ فساد غیر مقبول ہے 123
- قاعدہ 49: ہر چیز جس کا حس انکار کرے تو وہ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہے 124
- قاعدہ 50: مدعی پر دلیل ضروری ہے 125
- قاعدہ 51: امین وہ ہے جس کے ہاتھ میں عین چیز حاصل ہو 128
- قاعدہ 52: جو تلف کا دعویٰ کرے حالانکہ وہ امین ہے تو اس کا دعویٰ مقبول ہے 129
- قاعدہ 53: ہر وہ شخص جس کا قول مقبول ہو تو وہ قسم اٹھائے 130
- قاعدہ 54: تو ادا کر امانت اس کو جس نے تجھے امانت دی اور مت خیانت کر اس سے جو تجھ سے خیانت کرے 131
- قاعدہ 55: جائز ہے اس آدمی کا مال لینا جو اس کو روکے 132
- قاعدہ 56: شئے کا حکم کبھی ثابت ہوتا ہے کسی دوسری شئے کے تابع ہو کر 134
- قاعدہ 57: ہر شرط جو ذکر کرنے کے ساتھ عقد کو فاسد کرے وہ شرط عقد کو نیت کے ساتھ بھی فاسد کر دے گی 135
- قاعدہ 58: ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے 137
- قاعدہ 59: ہر مشغول شئے کو دوسری چیز میں مشغول نہیں کیا جا سکتا 139
- قاعدہ 60: بے شک مبدل لہ کا حکم مبدل کا سا ہے 140

- قاعدہ 61: بسا اوقات مفضول افضل ہو جاتا ہے 141
- قاعدہ 62: استدامہ (برقرار رہنا، مسلسل رہنا) زیادہ قوی ہے ابتداء سے 142
- قاعدہ 63: کسی چیز کی جو حالت پہلے تھی اسی کو باقی رکھنا اصل ہے 143
- قاعدہ 64: نفی وجود کے لیے پھر صحت کے لیے پھر کمال کے لیے آتی ہے 145
- قاعدہ 65: قیود اصل میں احترازی ہوتی ہیں 146
- قاعدہ 66: جب یقین متعذر (مشکل) ہو تو رجوع غلبہ ظن کی طرف کریں گے 148
- قاعدہ 67: قرعہ ڈالنا" 149
- قاعدہ 68: جو آدمی کسی شی کو قبل از وقت حاصل کرنا چاہے اسے اس شی سے محرومی کی سزا دی جائے گی 153
- قاعدہ 69: جس آدمی سے کسی مانع پائے جانے کی وجہ سے سزا ساقط ہو جائے اس پر تاوان دوگنا ڈالا جائے گا 154
- قاعدہ 70: جو چیز زندہ سے الگ کر لی جائے تو وہ اس زندہ کے مردار ہونے کی طرح ہے طہر میں اور حلال ہونے میں 156
- قاعدہ 71: کان اکثر دوام کے لیے آتا ہے 158
- قاعدہ 72: وہ صیغے جو عموم کے لیے آتے ہیں 160
- قاعدہ 73: نکرہ اثبات کے تحت عموم کے لیے نہیں ہوتا 162
- قاعدہ 74: اعتبار لفظ کے عموم کا ہوگا نہ کہ سبب نزول کے خاص واقعہ کا 164
- قاعدہ 75: عام کو خاص کے ساتھ مخصص کیا جائے گا 167

حرف تمنا

مروجہ فقہ نہیں لیکن قرآن وسنت کی روشنی میں قواعد

دین اسلام کی تفہیم کے لیے بعض اصول وقواعد ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ ان اصولوں کو بھی قرآن وسنت کو سامنے رکھتے ہوئے بنایا جاتا یعنی قرآن وحدیث سے ہی اخذ کیا جاتا، لیکن افسوس بعض لوگوں نے دین اسلام کو سمجھنے کے لیے جو اصول وضوابط اور قوانین بنائے وہ بھی اپنی ناقص فہم وفراست اور اپنے فرقہ کی فقہ کے مطابق اس کے مؤید و معاون بنائے۔ یوں انھوں نے اپنے اپنے فرقہ، گروہ اور جماعت کا تحفظ کیا۔

اسی مقصد کے لیے عرب دنیا کے مشہور عالم فضیلۃ الشیخ صالح عثیمین رحمہ اللہ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے قواعد ہمارے سامنے پیش کیے ہیں جو امت کو دین اسلام کی منشی و مراد جاننے کے لیے آسان طریقہ سے شافی وکافی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ ان فقہی قواعد کی خوبی یہ ہے کہ ان کا مرجع و ماخذ قرآن وحدیث ہے۔ فاضل نوجوان عالم باعمل جناب افضل سہیل صاحب نے الشیخ صالح عثیمینؒ کی کتاب کو بنیاد بنا کر اس میں بہت سے ایسے مفید اضافہ جات کیے ہیں کہ جنھوں نے اس کی افادیت اور ضخامت کو دوچند کر دیا ہے۔ انھوں نے اس کا سلیس اردو ترجمہ کر کے اور تحقیق وتخریج بھی ساتھ شامل کر کے بالکل ایک نئی کتاب کے روپ میں آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ فضیلۃ الشیخ جناب مالک بھنڈر، فضیلۃ الشیخ رحمت اللہ شاکر اور الشیخ حکیم اشفاق احمد صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی نے اس پر نظر ثانی کر کے اس کی افادیت کو مزید چار چاند لگا دیے ہیں۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ علماء کی اس ٹیم کی تمام کوششوں کو قبول فرما کر آخرت کی کامیابی نصیب میں لکھ دے۔ آمین۔ یہ کتاب مدارس دینیہ کے طلبہ اور علمائے کرام کے لیے ایک گرانقدر تحفہ کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ فللّٰہ الحمد

خادم کتاب وسنت

۲۵ جون ۲۰۱۹ء، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قواعد فقہیہ کا تعارف

قواعد فقہیہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف:

عربی زبان میں قاعدہ کے لغوی معنی کسی عمارت کی بنیاد کے ہوتے ہیں اور اس کی جمع قَوَاعِدُ آتی ہے۔ اس لیے اونٹ کے ہودہ کے نیچے لگائی جانے والی لکڑیوں کو بھی قواعد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ لکڑیاں بھی ہودہ کے لیے بنیاد کے قائم مقام ہوتی ہیں۔ اسی طرح کسی مملکت کے دارالحکومت کو بھی قاعدہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی مملکت کے لیے بنیاد کی طرح اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ﴾ (البقرہ : 127) اس آیت میں لفظ قواعد اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اردو زبان میں بھی اس لفظ کے معنی بنیاد اور اساس کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ﴾ (النحل : 26)

اصطلاحی معنی:

قواعد کا اصطلاحی معنی دیگر علوم اور فنون سے الگ مفہوم رکھتا ہے۔ دوسرے علوم میں قاعدہ سے مراد ایسا اصول ہے جو اپنی تمام جزئیات پر منطبق (فٹ) ہوتا ہے، یعنی جس کا اطلاق اس کے ماتحت آنے والی تمام فروعی صورتوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً علم نحو کا قاعدہ ہے: فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ مفعول منصوب ہوتا ہے: یہ دونوں قواعد ہر قسم کے فاعل اور ہر قسم کے مفعول کو متضمن ہیں اور سب پر اس کا اطلاق یکساں طور پر ہے۔ کوئی فعل یا مفعول ایسا نہیں ہے جو اس قاعدہ سے خارج ہو اور فقہی قواعد کا حکم اس سے الگ ہے۔

ایک فقہی قاعدہ کا اطلاق اس کے تحت آنے والے تمام مسائل پر نہیں ہوتا، بلکہ اس کا

اطلاق اس کی بیشتر صورتوں پر ہوتا ہے اور بہت سی صورتیں ایسی ہوتی ہیں جو اس قاعدے کے اطلاق سے خارج رہتی ہیں لہٰذا اس کی تعریف ڈاکٹر عبدالعزیز محمد عزام نے یوں کی ہے:

"هِيَ قَضَايَا كُلِّيَّةٌ يَنْدَرِجُ تَحْتَهَا جُزْئِيَّاتٌ كَثِيْرَةٌ لِتُعْلَمَ اَحْكَامُهَا مِنْ تِلْكَ الْقَوَاعِدِ وَهِيَ مُنْطَبِقَةٌ عَلٰى مُعْظَمِ جُزْئِيَّاتِهَا غَالِبًا" [1]

قواعد کلیہ وہ امور ہیں جن کے تحت کثیر جزئیات شامل ہوتی ہیں۔ تاکہ ان قواعد کے ذریعے ان جزئیات کے احکام معلوم کیے جاسکیں جبکہ یہ قواعد اپنی اکثر جزئیات پر منطبق ہوتے ہیں (مکمل جزئیات پر نہیں) قاعدہ سے ملتا جلتا ایک لفظ ضَابِطہ ہے اس سے اسم فاعل مُضَابِطٌ ہے، اس کی جمع ضَبْطَةٌ اور "ضَبَاطٌ" آتی ہے، لغوی طور پر اس کا معنی ٹھوس حافظے والا بتایا جاتا ہے اور اصطلاحی معنی معمولی سا فرق کرتے ہوئے قاعدہ کی طرح ہے۔

علامہ حموی رحمہ اللہ اس فرق کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اَلضَّابِطُ مَا يَجْمَعُ فُرُوْعًا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ بِخِلَافِ الْقَاعِدَةِ وَهِيَ مَا يَجْمَعُهَا مِنْ اَبْوَابٍ شَتّٰى"

''ضابطہ وہ ہے جو ایک باب کی فروعات کو جامع ہوتا ہے جب کہ قاعدہ مختلف ابواب کی فروعات کو جامع ہوتا ہے۔''

قاعدہ کے ساتھ ایک قریبی لفظ (اصول) ہے۔ اہل فن کے نزدیک ان دونوں میں فرق ہے۔ اصول کا تعلق الفاظ کی دلالت، نصوص کے ذریعے ثبوت اور احکام کے طریق استنباط سے ہے جبکہ قواعد، شریعت کے مزاج کو واضح کرتے ہیں اور شریعت ان کی رعایت کی متقاضی ہوتی ہے۔

مشہور مالکی اصولی (امام قرافی کی رائے میں اسلامی شریعت کے اصول دو قسم کے ہیں۔ ایک کو اصول فقہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس علم میں زیادہ تر ایسے قواعد کا بیان ہے جو عربی زبان کے استعمال سے متعلق ہیں۔ دوسری قسم ان کی فقہی قاعدوں پر مشتمل ہے جو بہت شاندار ہیں

[1] القواعد الفقهية از عبد العزيز احمد عزام قاهره۔ دار الحديث: 12/2005۔

ان کی تعداد خاصی ہے۔ وہ اسلامی شریعت کے لاتعداد جزئی احکام کے متعلق اسرار و حِکَم پر مشتمل ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کا اصول فقہ میں کوئی ذکر نہیں اور اگر کوئی اشارہ مل بھی جائے تو اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ [1]

قواعد فقہیہ کا موضوع:

ان کا موضوع متعدد متشابہ اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے مسائل کو کسی مشترکہ تعلق کی وجہ سے یکساں مجموعوں (قواعد) میں جمع کرنا ہے۔ اس مشترکہ تعلق کی وجہ قیاس، کوئی فقہی ضابطہ یا مشترکہ علت ہوگی۔ اس مشترکہ تعلق کی وجہ سے مختلف مسائل کی متعدد جزئیات کو ایک قاعدہ کے تحت لایا جاتا ہے۔

قواعد فقہیہ کے فوائد:

قواعد فقہیہ کے بے شمار فوائد ہیں جن میں اہم یہ ہیں۔

الف:...... یہ فقہی قواعد لٹریچر کے معتبر اور مسلم اصول اور نسل در نسل سے مجتہدین اور فقہاء کرام کے مطالعہ کا نچوڑ ہیں اور فقہاء کرام کے طرز استدلال اور استنباط احکام کے طریقوں سے واقف ہونے کے لیے ان کا جاننا بہت ضروری ہے۔

ب:...... شریعت اسلامی کا مزاج اور فقہی احکام میں جو عمومی انداز فکر کارفرما ہے اس سے مجموعی واقفیت پیدا کرنے کے لیے ان قواعد کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

ج:...... قواعد فقہیہ کے مطالعہ سے ایک عالم دین، قانون دان، یا طالب علم کو فقہی احکام سے ایک لحاظ سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

د:...... منتشر و متفرق لاتعداد فقہی مسائل کو صرف ایک کلیہ کے ذریعے حل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

ہ:...... قواعد فقہیہ سے واقفیت کے بعد انسان کے لیے روزمرہ زندگی کے مسائل حل

[1] قہرافی شہاب الدین۔ الفروق: 1/1 بحوالہ محمد نجات اللہ صدیقی۔ مقاصد شریعت۔ اسلام آباد۔ ادارہ تحقیقات اسلامی: 16/2009۔

کرنے میں شریعت کے نقطہ نظر آسانی، بنی نوع انسان سے محبت اور عدم حرج کو جاننا اور اپنے معاملات پر مختصر انداز میں ان کو منطبق (فٹ) کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ❶

قواعد فقہیہ کے مصادر و ماخذ

احادیث نبویہ جس کو شریعت اسلامی کے مصادر میں دوسرا مقام حاصل ہے۔ اس میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ گو فقہی قواعد دور نبوی ﷺ میں مرتب نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی اسے کسی فن کی حیثیت حاصل تھی لیکن اسی زمانہ میں ان قواعد کی بنیاد رکھی گئی، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ آج ہمارے سامنے جو قواعد ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو بعینہٖ انہیں الفاظ کے ساتھ احادیث میں بھی مذکور ہیں اور اکثر وہ ہیں جن کی اصل احادیث میں موجود ہے۔ ان قواعد کا نہ کوئی ایک شخص مصنف ہے، نہ یہ کسی ایک یا چند افراد کے ذہن کی پیداوار ہے اور نہ کسی خاص علاقے، زمانے یا نسل کے لوگوں کو ان کی تدوین کا اعزاز ہے۔ البتہ چند قواعد ایسے ہیں جو یا تو براہ راست کسی حدیث نبوی کے الفاظ سے ماخوذ ہیں یا کسی متعین فقیہ اور مجتہد کی طرف منسوب ہیں لیکن ایسے قواعد بہت کم ہیں مثال کے طور پر درج ذیل قواعد براہ راست احادیث نبویہ سے لفظاً یا معناً ماخوذ ہیں۔

1:...... اَلْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ. ❷ اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ جانورروں کی جنایات قابل معافی ہیں اگر جانور کسی آدمی کا کچھ نقصان کر دے تو اس سے جانور کے مالک پر ضمان واجب نہیں ہوگا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث ایک قاعدہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

2:...... لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ، یہ بعینہٖ حدیث نبوی کے الفاظ ہیں۔ ❸

---

❶ اسلامی اصول فقه از محمد باقر خاکوانی ص 491.

❷ ترمذی ابواب الزكوٰة، باب ماجاء ان العجماء جَرْحها جبار، ج 3، ص: 25، رقم 642.

❸ ابن ماجه، كتاب الاحكام، باب من بنى فى حقه ما يضرُّ بجاره رقم: 2332.

3:...... الخراج بالضمان ، فائدہ وہ اٹھائے جو تاوان دینے کا پابند ہو۔ ❶ یہ بھی بعینہٖ حدیث نبوی کے الفاظ ہیں۔ اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔

قواعد فقہیہ کی اہم کتب:

اس موضوع پر متعدد کتب تدوین کی گئی ہیں جن میں زیادہ اہم درج ذیل ہیں:

(1) المنثور فی القواعد از زرکشی محمد بن بہادر (2) قواعد ابن رجب، ابن رجب حنبلی کی (3) الاشباہ والنظائر، زین الدین ابن نجیم حنفی کی (4) الاشباہ والنظائر، جلال الدین سیوطی کی (5) قواعد الاحکام فی مصالح الانام، عز بن عبدالسلام کی (6) قواعد ابن اللحام، ابن لحام حنبلی کی (7) الموافقات، امام شاطبی کی۔ (8) الطرق الحکمیہ، ابن قیم جوزیہ کی (9) کتاب القواعد، محمد المقری المالکی کی (10) الاشباہ والنظائر، ابن وکیل شافعی (11) الاشباہ والنظائر، تاج الدین السبکی کی (12) الاشباہ والنظائر، جمال الدین اسنوی کی (13) کتاب القواعد، تقی الدین الحسنی کی (14) نظم الزخائر فی الاشباہ والنظائر، ابن علی الخلیل المقدسی کی (15) الکلیات الفقھیہ والقواعد، ابن نمازی المالکی کی۔ (16) قواعد الفقہ الاسلامی، روکی محمد کی (17) شرح القواعد الفقھیہ، زرقا احمد بن شیخ محمد کی (18) القواعد الفقھیہ، ڈاکٹر عبدالعزیز محمد عزام کی۔ (19) معجم القواعد والضوابط الفقھیہ، ڈاکٹر خالد عبداللہ الشعب کی۔ (20) معلمۃ زاید للقواعد الفقھیہ الاصولیۃ، یہ کتاب (42) جلدوں میں ہے اور فقہ اکیڈمی جدہ سعودیہ عربیہ نے اسے شائع کیا ہے اس کتاب میں آٹھ مذاہب کے قواعد کو جمع کر دیا ہے۔ (i) حنفی (ii) مالکی (iii) شافعی (iv) حنبلی (v) ظاہری (vi) جعفری (vii) زیدی (viii) اباضی۔

(21) ترکی کی سلطنت عثمانیہ نے انیسویں صدی میں اسلامی قانون کی کتاب مجلۃ

---

❶ ابوداود، کتاب البیوع، ح: 3044.

الاحکام العدلیہ مرتب کرائی تھی، جس میں تمام فقہی امور کو مختلف ابواب کے تحت دفعہ وار مرتب کیا گیا تھا، مثال کے طور پر دفعہ نمبر 1، دفعہ نمبر 2، دفعہ نمبر 3 وغیرہ وغیرہ۔ اس مجلّہ کی پہلی جلد میں دفعہ نمبر 1 سے لے کر دفعہ نمبر 100 تک قواعد فقہیہ درج ہیں اور اس کی درج ذیل شروحات ہیں:

1:......خالد اتاسی۔ مجلّہ کی تمام شروحات میں سب سے زیادہ ضخیم اور بہترین شرح حمص کے سابق مفتی علامہ محمد خالد اتاسیؒ کی ہے، جس کی تکمیل اس کے بیٹے محمد طاہر اتاسی نے کی، یہ ایک جامع شرح ہے اس کے چھ حصے ہیں۔ اس میں فقہ کے حوالہ جات مندرج ہیں۔ مجلّہ کی ایک اور شرح شائع ہوئی جس کے مؤلف سید منیر قاضی، پرنسپل لاء کالج بغداد ہیں۔ اور ابواب کی ترتیب مضامین کے اعتبار سے ہے، دفعات کے نمبروں کے اعتبار سے نہیں ہے۔

2:......ایک شرح درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ہے جس کے مصنف علی حیدر ہیں جو عثمانیہ ہائی کورٹ کے صدر اول، محکمہ فتاویٰ کے امین اور وزیر عدل اور استنبول کے لاء کالج میں مجلّہ کے پروفیسر تھے۔ اس شرح کے سولہ (16) حصے ہیں جس کے اندر مجلّہ کی طرز پر ابواب کی تقسیم کی گئی ہے ان میں مجلّہ کے تمام احکام کے شرعی دلائل مع حوالہ کتب بیان کیے گئے ہیں جو مصنف کے تبحر علمی کی دلیل ہے۔

3:......مجلّہ کی ایک شرح سلیم بن رستم باز لبنانی سابق رکن مجلس شوریٰ حکومت عثمانیہ کی ہے یہ شرح پہلی دفعہ 1888ء میں طبع ہوئی پھر بعد میں کئی بار طبع ہوئی یہ ایک ضخیم کتاب ہے اس کی عبارت آسان اور بڑی مختصر ہے، عرب ممالک کے قانون دان طبقے میں اس نے بڑی شہرت پائی اور ان کے ہاں بہت مستعمل رہی۔

نوٹ: ......ان کے علاوہ مجلّہ کی اور بھی شروحات ہیں لیکن خالد اتاسی اور علی حیدر کی شرحیں بہت مقبول رہی ہیں اور خالد اتاسی کی شرح حال ہی میں پاکستان میں بھی پانچ جلدوں میں طبع ہوئی ہے اس کا اردو ترجمہ ادارہ تحقیقات اسلامی سے شائع ہو رہا ہے اور جلد اول کا

ترجمہ جس میں مجلّہ کے (99) قواعد کی مفصل شرح بھی ہے پہلے ہی طبع ہو چکا ہے۔ ❶

(22) القواعد النورانیه الفقهیه، (تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی/ دار الکتب العلمیہ بیروت1994م) (23) الوجیز فی شرح القواعد الفقهیه فی الشریعة الاسلامیه ❷ (24) دور حاضر میں مصطفیٰ الزرقاء کی کتاب الفقه الاسلامی فی ثوبه الجدید ہے جس کا نیا ایڈیشن اضافوں کے ساتھ المدخل الفقہی العام کے نام سے ہے۔

(25) اردو زبان میں فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر از تقی امینی۔ اور قواعد وکلیہ اور ان کا آغاز وارتقاء، ڈاکٹر محمود احمد غازی کی۔ اور قواعد الفقہ مولانا محمد نعمان صاحب کی۔ اور اسلامی اصول فقہ، ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی کی۔ اس موضوع پر اچھی کتب ہیں۔

(26) القواعد الفقہیہ، علامہ محمد بن صالح عثیمین کی۔ جس کا ترجمہ اور توضیح خاکسار نے کیا ہے اور آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ (الحمد للہ)

قواعد فقہیہ کی ابتداء وتاریخ:

جیسا کہ ڈاکٹر محمد باقر خاکوانی حفظہ اللہ نے لکھا ہے کہ علمی دنیا میں یہ ایک مسلم اصول ہے کہ پہلے علم معرض وجود میں آتا ہے پھر بعد میں اسے مدون کیا جاتا ہے۔ کسی بھی علم کی تدوین اس علم کے وجود کی خبر دیتی ہے نہ کہ اس کو وجود بخشتی ہے۔ اسی طرح قواعد فقہیہ بھی دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں کافی حد تک رواج پا چکے تھے۔ ان قواعد کو ایک الگ علم کی حیثیت دینے کے لیے دوسری صدی ہجری کے شروع میں جب ائمہ مجتہدین، اصول فقہ کی تدوین میں مصروف تھے تو اس تدوین کے دوران انہوں نے قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کردہ جزوی احکام میں پوشیدہ حکمتیں اور پوشیدہ کلیات کی دریافت کا عمل بھی جاری رکھا۔ احکام شرعیہ میں مخفی حکمتوں یعنی اللہ تعالیٰ کا بندوں کو حکم دینے کی اصل وجہ اور روح کے بیان کے ذریعہ اس علم کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔ ان حکمتوں کو بعد کے ادوار میں مختلف ائمہ اور علماء

---

❶ ماخوذ قواعد کلیہ از ڈاکٹر محمود احمد غازی۔

❷ ڈاکٹر عبدالکریم زیدان/ مؤسسة الرسالة، بیروت/ 2001م.

نے مناسب لفظوں میں منتقل کر کے ان کو فقہی اور قانونی زبان سے واقف کیا۔ ان قواعد کی ابتداء کے سلسلہ میں یہ بات حقیقت ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن الشیبانی اور امام محمد بن ادریس الشافعی کی فقہی تالیفات میں کثیر قواعد، بکھرے ہوئے تھے جن کو بعد میں آنے والے فقہاء نے مرتب کیا اور ان کی بنیاد پر علم قواعد کو باقاعدہ شکل دی۔ جوں جوں یہ حضرات فقہی اصولوں کو مرتب کرتے گئے قواعد کلیہ نکھر کر سامنے آتے گئے۔ یہ قواعد فقہیہ ایک دن، یا دو دن یا چند دنوں میں بیٹھ کر کسی ایک شخص یا چند خاص اشخاص نے وضع نہیں کیے، نہ سب کے سب کسی ایک مرحلہ میں موجودہ شکل میں مرتب ہوئے، ان کی ترتیب کی صورت یہ نہیں ہے جو دنیا کے دوسرے قوانین کی ہوتی ہے کہ کسی متعین مجلس یا خاص فرد نے ایک خاص وقت میں ایک خاص شکل میں ان کو مدون کر دیا ہو۔ بلکہ ان قواعد کی ترتیب اور تدوین کی صورت ارتقائی رہی ہے ان کی بنیادیں تو قرآن وسنت کے احکام، خلفاء راشدین کے فیصلے، فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کرام رحمہم اللہ کے فتاویٰ جات اور صدر اسلام کے وہ اجتہادات ہیں جو انہوں نے سالہا سال قرآن وسنت میں غور وفکر کرنے کے بعد اخذ کیے۔ فقہاء کرام قرآن وسنت کے احکامات پر غور کرتے رہے ان کے سامنے احکام کا بنیادی فلسفہ، حکمت اور اصول واضح ہوتے گئے پھر ہر زمانہ کے فقہاء ان اصولوں کو مناسب انداز میں مرتب کرتے ہوئے ان کی عبارتوں کو بہتر اور جامع بناتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی اپنے مطالعہ اور غور وفکر سے نئے قواعد دریافت کر کے اس ذخیرہ میں اضافہ کرتے رہے۔

اس موضوع پر سب سے پہلے حنفی فقہاء نے باقاعدہ کام کا آغاز کیا۔ امام کرخی رحمہ اللہ نے اصول کرخی میں 39 قواعد جمع کیے پھر ابو زید عبیداللہ بن عمر عیسیٰ دبوسی نے ایک کتاب (تاسیس النظر) لکھی اور اس میں ستر قواعد جمع کیے اس کے بعد امام نسفی نے امام کرخی کے 39 قواعد کی شرح کی، اس کے بعد یہ علم تمام فقہی مذاہب میں مقبولیت حاصل کر گیا اور عز بن عبدالسلام، امام شاطبی، ابن قیم الجوزیہ نے ان پر جزوی طور پر کافی کام کیا۔ محمد بن ادریس القرافی مالکی نے اپنی کتاب (الفروق) میں ذکر کیا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں 548

قواعد جمع کیے ہیں۔ لیکن علی حسب اللہ لکھتے ہیں کہ مجھے اس کتاب کے مطالعہ کے بعد صرف 284 قواعد ملے ہیں۔ اس طرح اس علم پر متعدد علماء نے کتب لکھیں (علی حسب الله، اصول التشریع، ص: 269) کم وبیش ایک ہزار سال کی اجتماعی کوششوں کا یہ نتیجہ قواعد فقہیہ کے اس بے بہا خزانہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے جس نے آج سے بہت سال پہلے ہی ایک باقاعدہ منظم علم کی صورت اختیار کر لی تھی۔

خادم علماء وطلباء

حافظ افضل سہیل

مدرس جامعہ دارالعلوم محمدیہ

شیخوپورہ

26 جولائی 2018ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَبَعْدُ!

شریعت اسلامیہ کے فقہاء رحمہم اللہ نے ہمارے لیے ایک جلیل القدر اور عظیم الفائدہ علم مرتب کیا ہے جس کی مثال قدیم و جدید زبانوں میں پورے روئے زمین پر نہیں ملتی۔ وہ علم اصول فقہ ہے اس علم کو وضع کرنے اس کی عمارت بنانے اس کے نمایاں قواعد، پہلو اور معانی واضح کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے فہم کے طریق سے اسلام کی خدمت کرنا ہے۔ اس علم یعنی اصول فقہ کے قواعد و معانی کی روشنی میں کتاب و سنت کے نصوص اور مصادر معتبرہ سے احکام کا استنباط کرنا بھی ہے۔ اس تمام عمل میں لازم ہے کہ قرآن و سنت کو حاکم مانا اور تسلیم کیا جائے۔ جو قاعدہ بھی بنائیں اور جو استنباط بھی ہو وہ قرآن و سنت کے ماتحت ہو۔

القواعد الفقہیہ کے فاضل مصنف نے نہایت عمدہ طریقے سے قواعد کو بیان کیا ہے اور میرے فاضل شاگرد حافظ محمد افضل شیخوپوری حفظہ اللہ نے مزید تسہیل کر کے طلباء کے لیے آسانی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول کرے اور دنیا و آخرت کی آسانیاں نصیب کرے۔ بے شک وہی سننے والا اور دعاؤں کو قبول فرمانے والا ہے۔

محمد مالک بھنڈر

گوجرانوالہ

ربیع الثانی

دسمبر 2018ء

تقریظ

دین اسلام قرآن وحدیث کے مجموعے کا نام ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ﴾

''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے رسول (محمد) ﷺ کو ہدایت اور دین حق (سچا دین) دے کر مبعوث فرمایا ہے۔''

اور اس بات کی وضاحت بھی فرمادی کہ یہ دین لوگوں کو پہنچانا، سمجھانا اور عمل کر کے دکھانا بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تمام ذمہ داریاں انتہائی احسن انداز میں ادا فرمائیں۔ اس کے نتیجے میں تحفہ یہ ملا ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ دین مکمل ہوگیا ہے۔ رسول بھی آخری اور کتاب بھی آخری ہے۔ شریعت کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ نئی شریعت ونبوت کا تصور ہی گمراہی اور تباہی و بربادی ہے۔ تکمیل دین وشریعت والی آیت یہ بتاتی ہے کہ قیامت تک پیش آنے والے ہر مسئلے اور جنم لینے والے ہر قسم کے فتنے کا حل کتاب وسنت کی روشنی میں ہر وقت دستیاب ہے۔ تھوڑا سا غور وفکر کرنے سے وہ مسئلہ قرآن مجید کی کسی آیت یا نبی کریم ﷺ کی حدیث کے الفاظ سے ثابت ہو جائے گا یا قرآن وسنت میں اشارۃ النص یا اقتضاء النص یا دلالۃ النص سے ثابت ہو جائے گا اور یہ چیزیں قرآن وحدیث سے وابستہ علماء ومحدثین کے حصے میں آئیں جو قرآن وحدیث میں غور وفکر کر کے مسائل کا استنباط قرآن وحدیث سے اخذ شدہ اصولوں کی روشنی میں کرتے رہے، کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اسی کا نام فقہ ہے جسے فقہ الکتاب والسنہ کہا جاتا ہے۔ محدثین اور ان کے منہج پر چلنے والے ہر دور میں مخصوص ومدون فقہی پابندیوں سے آزاد رہے اور ان شاء اللہ آزاد ہی رہیں گے۔ صحیح بخاری میں ہے ابوجحیفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی

(خاص) کتاب ہے؟ فرمایا: نہیں، قرآن مجید ہے یا "فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ" وہ فہم جو کسی مسلمان کو نصیب ہوتا ہے یا یہ صحیفہ ہے۔ میں نے کہا اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اس میں دیت (کے احکام)، قیدی کو آزاد کرنا اور یہ لکھا ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ (بخاری، کتاب العلم باب کتابة العلم: 111)

یہی وہ فہم ہے جو ہر دور میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں جس کے نتیجے میں فقہ اور اصول فقہ کے علم نے جنم لیا۔ زمانہ نبوت اور صحابہ میں ان اصولوں کو ملحوظ تو رکھا جاتا تھا۔ مگر الگ مدون نہیں تھے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ضرورت بڑھتی گئی تو علماء نے انھیں جمع کرنا شروع کر دیا۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی پیش نظر یہ کتاب ''قواعد فقہیہ'' کا تعارف ہے جس میں فقہی اصول کتاب وسنت سے اخذ کیے گئے ہیں۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے اصول لیا گیا ہے یا پھر ان کی روشنی میں اصول اخذ کیا گیا ہے۔ جس سے بہت ہی پیچیدہ ومخفی مسائل کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہو گیا ہے۔ یہ بہت اچھی کاوش ہے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرمائے اس میں حصہ ڈالنے والے ہر فرد کے لیے ثواب ونجات کا ذریعہ بنائے اور ہر قسم کی کج روی اور کتاب وسنت کی مخالفت سے ہمیشہ محفوظ فرمائے۔

کتبہ: العبد الفقیر الی رحمة ربه الغفار

رحمت اللہ شاکر

مدرس مسجد مکرم

ماڈل ٹاؤن، گوجرانوالہ

24-12-2018ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

محترم بھائی افضل صاحب نے اصول فقہ کی کتاب جس کے اصول شیخ صالح عثیمین رحمہ اللہ کی کتاب سے لیے گئے ہیں اور اس کی مثالوں میں کچھ باتیں عرب علماء کی شامل کر کے قواعد فقہ پر بہت اچھی کتاب مرتب کی ہے۔

آج کے دور میں اس مضمون کی بہت سخت ضرورت ہے کہ طلباء کو یہ انداز سمجھایا جائے کہ قرآن و حدیث کی نصوص سے مسائل اخذ کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کے تراجم ابواب میں یہی بات سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب رسالہ لکھ کر یہی بات سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

عرب لوگ الفاظ کی باریکی اور انداز بیان سے مسئلہ کی نوعیت کو خود سمجھتے تھے۔ عجمیوں کے لیے عربی زبان کی یہ لطافت سمجھنے میں کچھ دقت پیش آتی ہے۔ اسی لیے آج کے دور میں فقہی اختلافات میں بہت دوری پیدا ہوگئی اور گروہ در گروہ بڑھتے جا رہے ہیں۔ یہ اصل میں اصول فقہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ بعض اوقات انداز گفتگو سے اشارہ کسی اور جانب ہوتا ہے۔ ظاہر معنی اور ہوتا ہے جس طرح عمر رضی اللہ عنہ کا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قریب بٹھانے میں سورہ نصر کا واقعہ ہے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی جانب ہے۔

یہی بات سمجھ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دنیا کا اختیار دیا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کا اختیار دیا تو اس نے وہ پسند کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو یہ بھی وفات نبوی کا اشارہ ہے۔

اس طرح کی تمام باتیں انہی اصول سے سمجھ آتی ہیں۔ انہی اصولوں کو سمجھنے سے طلباء

میں بیدار مغزی پیدا ہوتی ہے۔ سابقہ علمائے کرام بلاغت، منطق، فلسفہ، ادب، عربی اور اصول فقہ کے ماہر ہوتے تھے وہ الفاظ اور انداز سے بات کو سمجھتے تھے جس طرح جملہ تاکید کے کلمات سے خالی ہو تو اس کا کیا مقصد ہے یہ باتیں فنی طور پر بھی سیکھی جاتی تھیں۔ آج ان کو سمجھنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ بھائی افضل صاحب کو جزا خیر عطا فرمائے جو طلباء کو ادھر متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔

العبد الفقير الى رحمة ربه الجليل

اشفاق احمد

خريج الجامعة الاسلامية

مدينة المنورة

قواعد اور اصول

قاعدہ 1

اَلدِّيْنُ جَآءَ لِسَعَادَةِ الْبَشَرِ

”دین آیا ہے انسانوں کی خوش بختی کے لیے (اور ان سے شر اور نقصان دور کرنے کے لیے)۔“

تشریح

یہ قواعد فقہیہ کا پہلا قاعد ہے۔ (الدین) سے مراد دین اسلام ہے۔ (جآء لسعادة البشر) سعادت (نیک بختی) شقاوت (بدبختی) کی ضد ہے۔

(البشر) یعنی انسان کیونکہ نبی ﷺ تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے، یعنی آپ ﷺ لوگوں سے شر اور نقصان کی نفی کرنے کے لیے آئے ہیں، شر خیر کی ضد ہے اور ضرر، نفع کی ضد ہے۔ کیونکہ دین سارے کا سارا حصول مصلحت اور دفع مفاسد کے لیے ہے۔ یہ قاعدہ اللہ عزوجل کے دین میں عام ہے اور اس دین کی شان اس لائق ہے کہ انسان اس دین کی طرف دھیان دے اس کو اپنے گلے لگائے رکھے اس کی طرف دعوت دے اور اس کی تائید کرے۔

قاعدہ 2

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ

''نہ ضرر پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے۔''

تشریح

بے شک ہر نفع مند چیز کو اسلام نے مشروع کیا ہے کیونکہ اسلام آیا ہی لوگوں کی خوش بختی کے لیے ہے۔ اور ہر نقصان دہ چیز سے اسلام نے منع کیا ہے کیونکہ اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ لوگوں سے شر اور ضرر وغیرہ کو دور کرے۔ لہٰذا ہر نقصان دہ چیز ممنوع اور ہر نفع بخش چیز مشروع ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ نہ ضرر پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے۔ [1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾ (النسآء: 29)

''اور مت قتل کرو اپنی جانوں کو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رحم کرنے والے ہیں۔''

فائدہ:...... یہ قاعدہ دراصل نبی ﷺ کا فرمان ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ، نیز یہ حدیث آپ ﷺ کے جوامع الکلم میں سے ایک ہے۔ اس قاعدہ کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ نہ کسی کا نقصان کیا جائے اور نہ ہی خود نقصان اٹھانا جائز ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی آدمی اولاً کسی کو نقصان پہنچائے، مثال کے طور پر اگر کسی آدمی نے دوسرے کی

---

[1] ابن ماجه: 2370، ابوداود المراسيل، ص: 44، باب فی الا ضرار، البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ احمد: 313/1.

دیوار گرا دی، تو دوسرے شخص کو یہ روا نہیں کہ خود اس سے انتقام لے، بلکہ معاملہ کسی تیسرے کے سامنے پیش کیا جائے، اور دیوار گرانے کا جو نقصان ہوا ہے، وہ اس سے لیا جائے گا۔ یا عدالت کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کیا جائے، نہ کہ مقابلے میں اس کی دیوار گرا دی جائے، شریعت اسلامیہ نے اس میں اصل طریقہ یہ رکھا ہے کہ قاضی سے فیصلہ کروایا جائے نقصان کے عوض نقصان کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

سبب یہ ہے کہ اس سے انتقام در انتقام کا سلسلہ بڑھتا جائے گا۔ جو شریعت کے مقاصد کے خلاف ہے، کیونکہ شریعت کا مقصد ضرر کو کلیۃً ختم کرنا ہے، نہ کہ ضرر کا تبادلہ کیا جائے۔ اگر کسی سے بدلہ اور انتقام لینا بھی مقصود ہو، تو عدالت خود ہی قانون کے مطابق جو سزا انصاف کے ساتھ طے کرے گی وہ سزا دے گی، جس سے دیگر مقاصد بھی پورے ہو جائیں گے۔

فائدہ:...... لا ضرر ولا ضرار میں فرق:...... (1) ضرر سے مراد مطلق طور پر کسی دوسرے کو نقصان دینا۔ اور ضرار مقابلے میں کسی غیر کو نقصان دینا یعنی جانبین میں سے ہر کوئی دوسرے کو نقصان دینے کے درپے ہو۔ قطع نظر اس بات سے کہ ایک کا نقصان دوسرے کے نقصان کے برابر ہے یا نہیں، اور یہ کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں۔ (2) دوسرا فرق یہ ہے کہ ضرر یہ ہے کہ اپنے مفاد کی خاطر دوسرے کو نقصان دینا، اور ضرار یہ ہے کہ اپنے مفاد اور فائدہ کے بغیر غیر کو نقصان دینا۔ [1]

فائدہ: امام شاطبی کا کلام:

حدیث مذکور لا ضرر ولا ضرار پر امام شاطبی گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ حدیث ظنی دلائل میں سے ہونے کے باوجود معناً اصلی قطعی ہے کیونکہ ضرر اور ضرار تمام شریعتوں میں منع ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا﴾ (البقرة: 231)

”اور نہ روکو ان کے ستانے کے لیے تا کہ تم زیادتی کرو۔“

[1] شرح المجلة، المقالة الثانية، ص 24.

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ﴾ (الطلاق: 6)

''اور نہ تم تکلیف دو انہیں تا کہ تم تنگی کرو ان پر۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا﴾ (البقرة: 233)

نفوس، اموال، اعراض پر زیادتی کرنا، غصب اور ظلم منع ہے یہ سب ضرر اور ضرار کے تحت ہیں۔

قاعدہ 3

دَرْءُ الْمَفَاسِدِ اَوْلٰى مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ

''مفاسد کو رفع کرنا حصول منفعت سے اولیٰ ہے۔''

تشریح

یہ تیسرا قاعدہ ہے، اس کو علماء ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ دَرْءُ الْمَفَاسِدِ اَوْلٰى مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ ، کہ مفاسد کو ختم کرنا اولیٰ ہے حصول مصلحت سے۔ لیکن یہ قاعدہ مطلقاً نہیں بلکہ تساوی کی قید کے ساتھ مقید ہے۔ جب کسی چیز میں نفع اور نقصان دونوں جمع ہوں، اور دونوں نفع ونقصان میں برابر ہوں، تو حصولِ نفع بھی ممنوع ہو جاتا ہے، مفاسد کو ختم کرنے کی وجہ سے۔ اور علماء کے اس مشہور قول (اِذَا اجْتَمَعَتْ مَصْلَحَةٌ وَمَفْسَدَةٌ غَلَبَ جَانِبُ الْمَفْسَدَةِ) کو بھی تساوی کی قید سے مقید کیا جائے گا۔ جب مصلحت اور مفسدہ۔ دونوں جمع ہوں، تو مفاسد کی جانب غالب ہوگی۔ یہ مطلقاً نہیں ہے، بلکہ اس میں تساوی کی قید ہے لیکن جب مصلحت کی جانب غالب ہو تو اسی کو لیا جائے گا اور جب مفاسد کی جانب غالب ہو، تو پھر اس کی جانب غالب ہوگی۔

مثال: ...... جھوٹ بولنا شرعاً حرام ہے، اگر اس میں کوئی عظیم مصلحت پوشیدہ ہو تو جواز کا درجہ حاصل کرے گا چنانچہ لوگوں کے درمیان اصلاح کے لیے یا زوجہ کی اصلاح کے لیے جائز ہو گا۔

شریعت کا اصل مقصد فحاشی کا خاتمہ ہے کیونکہ بے حیائی کا خاتمہ ہی نیکیوں کے حصول کا احسن راستہ ہے، اس لیے معاشرے سے برائیاں ختم کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا

اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ، جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو تم اس کو کرو جتنی تم طاقت رکھو، اور میں کسی چیز سے منع کروں تو اس کو تم چھوڑ دو۔ مسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة . ❶

مثال: ......((عَنْ اَبِی الطُّفَيْلِ رضی اللہ عنہ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِیَّ ﷺ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ مَعَهُ وَيُقَبِّلُ الْمِحْجَنَ .)) ❷ ''سیدنا ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ آپ بیت اللہ کا طواف کرتے اور چھڑی کے ساتھ جو آپ کے پاس تھی حجر اسود کو چھوتے اور چھڑی کو بوسہ دیتے۔''

معلوم ہوا کہ اگر ازدھام یا کسی اور وجہ سے حجر اسود کو بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو کسی چھڑی کے ساتھ اسے چھو کر چھڑی کو بوسہ دیا جاسکتا ہے چھڑی کے علاوہ یہ بھی ثابت ہے کہ حجر اسود کو ہاتھ کے ساتھ چھو کر ہاتھ کا بوسہ لے لیا جائے۔ جیسا کہ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے ہاتھ کے ساتھ پتھر (حجر اسود) کو چھوتے ہوئے دیکھا پھر انھوں نے اپنے ہاتھ کو چوما اور کہا میں نے اس عمل کو اس وقت سے نہیں چھوڑا جب سے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا۔ ❸

اگر چھڑی یا ہاتھ سے حجر اسود کو چھونا ممکن نہ ہو تو پھر دور سے بھی اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ کا طواف ایک اونٹنی پر سوار ہو کر کیا جب بھی آپ حجر اسود کے سامنے آتے تو کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کرتے اور تکبیر کہتے۔ اس سے معلوم ہوا اگر حجر اسود تک پہنچنے کی جگہ نہ مل رہی ہو تو پھر مزاحمت جائز نہیں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! یقیناً تو طاقتور آدمی ہے (اس لیے) تو حجر اسود پر مزاحمت (دھکم پیل) نہ کر (کیونکہ اس طرح) تو

---

❶ مسند ابی هريرة، ج6، ص 355 حديث نمبر 10607 .

❷ مسلم : 1275، ابن ماجه : 2949 .

❸ احمد : 108/2، 222/4 .

کمزور افراد کو اذیت پہنچائے گا۔ اگر تجھے خالی جگہ ملے تو حجر اسود کا بوسہ لے لے۔ اگر نہ ملے تو اس کی طرف رخ کر کے تہلیل و تکبیر کہہ دے۔ [1]

وضاحت: ...... حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے لیکن بہت رش ہو اور بغیر اذیت کے پہنچنا مشکل ہو تو دور سے ہی اشارہ کافی ہو جائے گا کیونکہ مفاسد کو دور کرنا منافع کے حصول سے اولیٰ ہے۔

[1] احمد : 28/1، عبد الرزاق : 8910، بیهقی : 80/5.

قاعدہ 4

اِنَّ التَّكَالِيفَ الدِّينِيَّةَ مُيَسَّرَةٌ

''دینی تکالیف آسان ہیں۔''

تشریح

تکالیف دینیہ بنیادی طور پر آسان ہیں، مثلاً رات اور دن کی پانچ نمازیں جن میں وقت کے آٹھویں حصے کا نصف وقت صرف ہوتا ہے، یا اس کے کم وبیش اور زکوٰۃ دینا بڑھنے والے مال میں سے یہ بھی ایک مال کا معمولی سا حصہ ہے اور سال بھر میں ایک ماہ (رمضان) کے روزے رکھنا اور زندگی میں ایک بار حج ادا کرنا، اور اسی طرح باقی واجبات بھی آسان ہیں، اور اس تخفیف میں جب کوئی رکاوٹ لاحق اور طاری ہو جائے، تو پھر اس میں دوسری بار اور تیسری بار بھی تخفیف کی جائے گی، مثلاً نبی کریم ﷺ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

((صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ)) [1]

''تو کھڑے ہوکر نماز پڑھ اگر استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے اگر استطاعت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھ لے۔''

اور ایسے ہی روزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾

(البقرة:2/184)

''جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اس کی قضائی دے۔''

[1] بخاری فی کتاب تقصیر الصلاة، باب اذا لم يُطِقْ قاعدًا صلى على جنب، رقم الحديث :1117.

قاعدہ 5

كُلَّمَا وُجِدَتِ الْمُشَقَّةُ وُجِدَ التَّيْسِيرُ

''جب کبھی مشقت ہو گی تو اس کے ساتھ سہولت بھی ہو گی۔''

تشریح

اس قاعدہ کا ماخذ چند آیات ہیں:

1: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج: 78)

''اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔''

2: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ (البقرة: 185)

''اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں ہے۔''

3: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ﴾ (المائدة: 6)

''اور تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو تم اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔''

4: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ﴾ (النساء: 28)

''اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے ہیں تم سے تخفیف کرنے کا۔''

5: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: 286)

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

اور احادیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

((بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ.)) ❶

''میں وسعت اور فراخی والے دین کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔''

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهُ.)) ❷

''نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک دین آسان ہے اور جو دین میں سختی اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آ جائے گا۔ (اور اس کی سختی نہ چل سکے گی)''

لہٰذا یہ قاعدہ شرعیہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

مثال:

﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾﴾ (البقرة: 220/2)

''اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں یتیموں کے بارے میں کہہ دو ان کی اصلاح کرنا بہت بہتر ہے اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں فسادی کو اصلاح کرنے والے سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو تم کو تکلیف میں ڈال دیتا بے شک اللہ تعالیٰ بہت زبردست حکمت والا ہے۔''

تشریح

﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى﴾ کے سبب نزول میں دو قول ہیں: ① جب اللہ تعالیٰ نے

❶ مسند احمد: 266/5.

❷ بخاری کتاب الایمان، باب الدین یسر، رقم الحدیث: 39.

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ (الاسراء: 34/17)

"اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طرح کہ جو (ان کے حق میں) بہتر ہو۔"

اور یہ آیت:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا ﴾ (النساء: 10/4)

"بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں۔"

ان آیات کو نازل کیا تو جن لوگوں کے پاس یتیموں کا مال تھا، انہوں نے ان کا کھانا اور پینا اپنے کھانے اور پینے سے الگ کر دیا تو یتیم کا بچا ہوا مال اس کے لیے روک کر رکھ لیا جاتا حتیٰ کہ وہ اس کو کھالیتا یا ضائع ہو جاتا تو یہ بات ان پر گراں گزری تو انہوں نے نبی ﷺ کے پاس اس کا ذکر کیا، پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا ہے۔

②: عرب کے لوگ یتیم کے معاملہ میں متشدد تھے حتیٰ کہ وہ یتیم کے ساتھ بیٹھ کر اس کے برتن میں نہیں کھاتے تھے تو انہوں نے نبی ﷺ سے یتیموں کے ساتھ میل جول کے بارے میں پوچھا تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

وضاحت: ......ابتداء میں یتیموں کے معاملہ میں بہت محتاط رہنے کی ہدایت تھی حتیٰ کہ کھانا، پینا وغیرہ ہر چیز الگ، اتنی زیادہ احتیاط میں بڑی مشقت تھی لہٰذا یہ تخفیف ہوگئی کہ معروف طریقہ سے اگر کھانا وغیرہ اجتماعی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مشقت کی اقسام:

فقہاء نے مشقت کی دو اقسام ذکر کی ہیں: (1) واقعی مشقت (2) وہمی مشقت۔ حقیقی مشقت سے مراد یہ ہے جو واقعی موجود ہو یا تجربہ کار ڈاکٹر اور طبیب کی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے ظن غالب ہو کہ مشقت واقع ہو جائے گی۔ مثلاً ایک مریض ہے اور تجربہ کار ڈاکٹر و طبیب کی رائے کے مطابق روزہ رکھنا اس کے لیے مشقت کا باعث ہے، اور مریض کو سخت تکلیف کا

[1] تفسیر زاد المسیر: 206/1.

سامنا کرنا پڑے گا، تو ایسی صورت میں شریعت میں دی گئی رخصت سے وہ مستفید ہو سکتا ہے۔

وہمی مشقت کا مطلب یہ ہے کہ جن اسباب کا شریعت نے اعتبار کر کے رخصت اور آسانی دی ہے، ان اسباب کا عادتاً وجود تو ہو، مگر فی الحال وجود نہ ہو، ایسی صورت میں ان اسباب کا اعتبار نہیں ہوگا اور نہ ہی رخصت اور آسانی کی اجازت ہوگی۔ مثلاً عورتوں کو ہر ماہ ایام مخصوصہ کے اندر رخصت کے احکام اس وقت تک لاگو نہیں ہوں گے، جب تک حقیقۃً حیض کی علامت ظاہر نہ ہو جائے۔ صرف اندازے کے ساتھ یا عادت کے طور پر یہ رخصت نہیں ملے گی، جب تک علامت ظاہر نہ ہو جائے، علامت کے ظاہر ہونے پر ہی رخصت اور سہولت ملے گی۔

مشقت کے اسباب:

شارع نے رخصت اور سہولت کے جو اسباب بیان کیے ہیں ان کو مدنظر رکھ کر رخصت اور تخفیف کی صورت نکالی جائے گی۔ اس کے اہم اسباب یہ ہیں:

① سفر:

حالت سفر میں نماز قصر کرنے اور روزہ افطار کرنے کی رخصت موجود ہے۔

② مرض:

مریض کو بھی شدت مرض کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز بیٹھ کر پڑھنا، یا اشاروں سے پڑھنا اور روزہ افطار کرنے کی رخصت ہے۔ حیض و نفاس میں عورت سے نماز ساقط ہو جاتی ہے البتہ رروزہ کی قضاء دے گی۔

③ اکراہ:

بحالت اکراہ اپنی جان بچانے کے لیے زبان سے کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ دل میں ایسا کچھ بھی نہ ہو اور وہ ایمان پر مطمئن ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ (النحل:106/16)

''جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو، مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں۔ تو ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

④ نسیان:

روزے کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَاَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ اِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ.)) [1]

''جو بھول کر کھا پی لے روزہ کی حالت میں تو وہ روزہ پورا کر لے، اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔''

⑤ جہل، لاعلمی:

⑥ عسر:

(مشکل اور دشواری میں پڑ جانا) مالی تنگی ہونے کی صورت میں مقروض کو مہلت دی جائے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ﴾ (البقرة:280/2)

''اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے۔''

⑦ عموم بلوی:

عام طور پر لوگوں کا کسی فعل میں دن رات مبتلا ہونا۔ (الف) مثلاً بارش ہونے کی صورت میں گھر نماز پڑھنے کی رخصت اور اجازت ہے۔ (ب) عوامی مقامات جہاں کی صفائی اور طہارت کا لوگ خیال نہیں رکھتے، پاک ہونا۔

[1] مسلم: 1155، احمد: 9205، دارمی: 1726.

⑧ نقص:

مثلاً عورتوں سے جہاد اور جمعہ کی فرضیت کا ساقط ہونا۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ قَالَ نَعَمْ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيْهِ هُوَ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ.)) ❶

''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا خواتین پر جہاد ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ لیکن اس میں لڑائی نہیں ہے وہ حج اور عمرہ ہے۔''

⑨ جنون (پاگل پن، دیوانگی)۔ ⑩ بے ہوشی۔ ⑪ نیند۔ ⑫ کم سنی وغیرہ۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الْمُبْتَلٰى حَتّٰى يَبْرَأَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَكْبُرَ.)) ❷

''نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے اور بیمار سے حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے اور بچے سے حتیٰ کہ وہ بڑا ہو جائے۔''

---

❶ ابن ماجه: 2901، بخاري: 2875

❷ صحيح، ابوداود: 243/4، ترمذي: 318/2، نسائي: 93/2، ابن ماجه: 148.

قاعدہ 6

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ

”تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنی تم طاقت رکھو۔“

تشریح

یہ قاعدہ درج ذیل دلائل سے لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن: 16/64)

”اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ وَمَا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ .)) [1]

”میں جس سے تم کو منع کروں تم اس سے اجتناب کرو، اور جس چیز کا حکم دوں تو اس کو کرو جتنی تم طاقت رکھو۔“

لہٰذا جب انسان کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے عاجز ہو، تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ جب آدمی پانی کے ساتھ طہارت کرنے سے عاجز ہو، تو پاک مٹی سے تیمّم کر لے۔ لیکن محظور سے اجتناب ہر صورت ضروری ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ، میں جس سے تم کو منع کروں تو تم اس سے بچو۔

مامور اور محظور میں فرق:

محظور کو ترک کرنا ہے انسان اس سے عاجز نہیں ہوتا لیکن مامور وہ فعل ہے جو تکلف اور تھکان کا باعث ہوتا ہے اسی لیے مامور میں استطاعت کی قید لگائی ہے اور محظور سے اجتناب

[1] یہ بخاری کی حدیث کا ایک جزء ہے، كتاب الاعتصام، حديث: 7288، مسلم كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر: 73، حديث: 1337/412 .

کرنے میں استطاعت کی قید نہیں ہے اسی طرف ناظم نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

وَمَا اسْتَطَعْتَ افْعَلْ مِنَ الْمَامُوْرِ
وَاجْتَنِبِ الْكُلَّ مِنَ الْمَحْظُوْرِ

"جتنی استطاعت ہو مامور پر عمل کرو اور محظور سے کلی طور پر اجتناب کرو۔"

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کے ہاں مامور سے مراد واجب ہے یعنی وہ فعل جس کے کرنے پر ثواب اور ترک کرنے پر سزا ہوتی ہے۔ ❶ مثلاً پانچوں نمازیں اور رمضان کے روزے اور حج کرنا ہے۔ اور محظور سے مراد حرام چیز ہے یعنی وہ فعل جس کے ترک کرنے پر ثواب اور کرنے پر سزا ملتی ہے۔ ❷ حظر کا لغوی معنی منع کرنا۔ لہٰذا ہر وہ چیز (مکان) جو مویشیوں کو نکلنے سے روکے اس کو حَظِیْرۃ (باڑا) کہا جاتا ہے۔ ❸

محرمات کی اقسام:

اس کی دو اقسام ہیں: (1) محرم لذتہ: ...... مثلاً شرک، زنا، چوری، خنزیر کا گوشت کھانا، ان کے مفاسد بالکل واضح ہیں یہ ذاتی طور پر حرام ہیں، ان کے کرنے پر گناہ اور سزا مرتب ہوتی ہے۔ اور احکامات میں سے کسی چیز کے ثبوت کے لیے محرم لذاتہ کا اسباب شرعیہ ہونا باطل ہے، مثلاً زنا، اس سے نسب ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی زنا سے زوجیت صحیحہ کے احکام لاگو ہوں گے۔ اور چوری کرنے سے مسروقہ مال کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

(2) محرم لغیرہ: ...... یہ اصل میں مباح ہے یا مشروع ہے مفاسد سے خالی ہونے کی وجہ سے یا مصلحت کے غالب ہونے کی وجہ سے۔ لیکن کسی خاص مقام اور جگہ میں غالب فساد کا سبب ہو تو ایسی حالت میں اس پر حرمت لاگو ہوگی۔ مثلاً خرید و فروخت جائز ہے اور مشروع ہے مگر جمعہ کی پہلی اذان سنتے ہی یہ حرام ہو جائیں گے کیونکہ ان میں مشغولیت کی وجہ سے جمعہ ہی جاتا رہے گا۔ ❹

---

❶ البرهان: 310/1، ارشاد الفحول: ص 6.
❷ الاحکام للآمدی: 113/1، الایضاح ص: 27. ❸ لسان العرب: 202/4.
❹ تیسیر علم اصول الفقه، ص 40.

قاعدہ 7

اَلشَّرْعُ لَا يَلْزَمُ قَبْلَ الْعِلْمِ

”شرع نہیں لازم ہوتی علم سے پہلے۔“

تشریح

بے شک وجوب شرائع کی شرائط میں سے یہ ہے کہ انسان شرائع کا علم رکھنے والا ہو۔ اگر اس کا عالم نہیں تو شرائع اس پر لازم نہیں۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسئی صلوٰۃ کے نام سے مشہور ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جو صحیح طریقہ سے نماز ادا نہیں کر رہا تھا، آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ((ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ)) [1] ”واپس جاؤ نماز پڑھو کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔“ لیکن آپ ﷺ نے اس کو سابقہ نمازوں کے دہرانے کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ وہ جاہل تھا۔ معلوم ہوا کسی عمل کی اصلاح کے لیے اس کے فاسد عمل کو برقرار رکھنا جائز ہے۔ البتہ اس میں شرط یہ ہے کہ مخاطب کو صحیح طریقہ ضرور بتلایا جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس صحابی کی تیسری مرتبہ کی نماز کو برقرار رکھا اور صحیح طریقہ کی نماز کی تعلیم کے بعد اعادہ کا حکم نہ فرمایا۔ لہٰذا اس آدمی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا، پس آپ مجھے صحیح نماز سکھلا دیجیے۔ تو نبی کریم ﷺ نے اس کو نماز سکھا دی۔ لیکن موجودہ نماز کو دہرانے کا آپ ﷺ نے حکم دیا کیونکہ وہ وقت موجودہ نماز کا تھا وہ وقت اس نماز کا متقاضی تھا کہ وہ نماز پڑھے اور بریٔ الذمہ ہو جائے۔ اسی لیے موجودہ نماز دہرانے کا حکم دیا گزشتہ نمازوں کا نہیں۔

یہ قاعدہ عظیمہ متعدد آیات سے ماخوذ ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] مسلم فی الصلوٰۃ: 397/45، ابن ماجہ: 1060.

﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ ﴾

(القصص:59/28)

''تیرا رب کسی ایک بستی کو بھی اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی رسول نہ بھیج دے، جو ہماری آیات انہیں پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب کہ وہاں رہنے والے ظلم وستم پر کمر کس لیں۔''

اور اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ ﴾ (الاسراء:15/17)

''اور ہماری سنت ہی نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾ (النسآء:165/4)

''ہم نے انہیں رسول بنایا خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر نہ رہ جائے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (التوبة:115/9)

''اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے بعد میں گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچیں۔''

حدیث مسیئ الصلوٰۃ:

مذکورہ روایت کو حدیث مُسِیءُ الصَّلٰوۃِ کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے یہ نام صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم سے مروی نہیں ہے کیونکہ اساءۃ (برائی) قصداً کی جاتی ہے۔ جس کا ایک صحابی سے احتمال ممکن نہیں ہے اس لیے اس حدیث کے لیے حَدِیْثُ الْجَاهِلِ فِی الصَّلٰوةِ کا نام اَوْلٰی ہے۔

فانك لم تصل:

یعنی تو نے نماز نہیں پڑھی اس جگہ نماز کی ادائیگی بالفعل تو ہے اس کے باوجود نماز کی نفی کی گئی ہے لہٰذا یہ نفی وجود کی نہیں ہے بلکہ اس جگہ نفی سے مراد نفی شرعی ہے جو یا تو صحت کی نفی ہے یا اکمال کی نفی ہے۔

قاعدہ 8

اَلْجَهْلُ مَحَلُّ نَظَرٍ

''جہالت محل نظر ہے۔''

تشریح

بے شک ہر وہ آدمی جو علم سیکھنے میں کوتاہی کرے یعنی جو چیز اس کے ذہن میں منقدح ہے کہ یہ چیز واجب ہے لیکن اس کے بارے اس نے علم طلب نہیں کیا اور یہی کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں خیر ہے جو جانتا ہے وہ اسی پر دوام اختیار کرلے اور سستی کر جاتا ہے تو یہ بات محل نظر ہے۔

مثال: ......ایک آدمی جنگل میں رہتا ہے اس کے ساتھ اس کا اہل وعیال بھی ہے اس آدمی کی ایک بیٹی کو دس سال کی عمر میں حیض آ گیا جبکہ ان کے ہاں معروف بات یہ ہے کہ لڑکی حیض آنے سے نہیں بلکہ پندرہ سال کی عمر مکمل ہونے کے ساتھ بالغہ ہوتی ہے اور اس آدمی نے یہ بھی سنا ہے کہ حیض بلوغت کی ہی علامت ہے، اگرچہ پندرہ سال سے پہلے آجائے لیکن آدمی نے سستی کی کہنے لگا کوئی بات نہیں۔

ہم اسی پر ہیں جس پر تھے یعنی کہ پندرہ سال سے پہلے بلوغت نہیں ثابت ہوتی۔ اگر معاملہ ایسے ہی ہے تو اس آدمی کو کوتاہی کرنے والا اور غافل ولا پروا کہا جائے گا اگر بیٹی بھی سستی کرنے میں اپنے باپ کی طرح ہے تو پھر اس بیٹی پر قضاء لازم ہے۔ اگر بیٹی کو کچھ علم نہیں مگر وہ جو اس کے باپ نے کہہ دیا تو گناہ باپ پر ہوگا اور لڑکی پر قضا لازم نہیں ہے۔ اسی کے بارے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے کہا ہے:

لٰكِنْ اِذَا فَرَّطَ فِي التَّعَلُّمِ
فَذَا مَحَلُّ نَظَرٍ فَلْتَعْلَمِ

''لیکن جب آدمی سیکھنے میں کوتاہی کرے تو یہ محل نظر ہے پس تو جان۔''

قاعدہ 9,10

اَلْمُحَرَّمُ يُبَاحُ عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ

''ضرورت کے وقت حرام چیز مباح ہو جاتی ہے۔''

تشریح

قاعدہ نمبر 9-10 یہ ہے کہ حرام چیز ضرورت کے تحت جائز ہوتی ہے لیکن دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

1:......جس چیز کی ضرورت ہے وہ یقینی اور واقعی ہو۔ بایں حیثیت کہ اگر وہ یہ کام نہ کرے گا تو نقصان اٹھائے گا۔

2:......اس کے کر لینے سے ضرورت کا ختم ہو جانا۔

اگر اس کی ضرورت کا مباح چیز کے ساتھ پورا ہونا ممکن ہو تو پھر یہ حرام چیز حلال نہیں ہوگی۔ اور ایسے ہی اگر اس کی ضرورت کا پورا ہونا یقینی نہیں تو پھر حرام حلال نہیں ہوگا۔ یہ قاعدہ قرآن مجید کی ان آیات سے لیا گیا ہے:

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ط﴾

(الانعام:119/6)

''اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتا دی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے۔''

یعنی جب تم اس کی طرف مجبور ہو جاؤ تو وہ تم پر حرام نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ لا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

(المائدة:3/5)

"پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔"

لیکن شروط سابقہ کی رعایت ضروری ہے جب مباح کے ساتھ کام ممکن ہو تو حرام حلال نہیں ہوگا اور دوسرا قاعدہ کہ مکروہ بھی بوقت ضرورت مباح ہوتا ہے مکروہ کا درجہ حرام سے نیچے ہے کیونکہ مکروہ کا مرتکب سزا کا حق دار نہیں ہوتا۔ لہٰذا حاجت کے وقت مکروہ مباح ہے مثلاً نماز کی مصلحت کے علاوہ نماز میں معمولی سی حرکت کرنا بوقت ضرورت مباح ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو نماز کی حالت میں اٹھانا اور سجدہ کرتے وقت اس کو بٹھا دینا ❶ اور مکروہ کو علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اس شعر میں ذکر کیا ہے:

وَكُلُّ مَمْنُوْعٍ فَلِلضَّرُوْرَةِ
يُبَاحُ وَالْمَكْرُوْهُ عِنْدَ الْحَاجَةِ

"ہر ممنوع ضرورت کے تحت مباح ہے اور مکروہ بھی حاجت کے وقت مباح ہے۔"

اضطرار کا لغوی معنی:

اضطرار کا لغوی معنی الاحتیاج الی الشئی ❷ کسی چیز کی طرف محتاج ہونا۔

اضطرار کا اصطلاحی معنی:

الاضطرار هو خوف الهلاك او خوف الضرر، ہلاک ہونے کا ڈر یا ضرر کا ڈر اضطرار ہے۔

حاجت اور ضرورت میں فرق:

1:...... جب حاجت پوری نہ ہو تو ایسی صورت میں انسان پر تنگی اور مشقت کی کیفیت

---

❶ بخاری، كتاب الصلوٰة (8) باب اذا حمل جارية صغيرة على عنقه فى الصلوٰة (106، حديث: 156، مسلم حديث: 543/42، كتاب المساجد (5) باب جواز حمل الصبيان فى الصلوٰة: (9).

❷ لسان العرب، فصل الضاد، ج: 4، ص483.

پیدا ہو جاتی ہے جبکہ ضرورت کے پورا نہ ہونے کی صورت میں ضرر اور جان کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔

2:...... ضرورت ایسے فعل پر مبنی ہوتی ہے جو ناگزیر ہو، جبکہ حاجت ایسے فعل پر مبنی ہوتی ہے جو وسعت اور سہولت ہو۔

3:...... حاجت اور ضرورت میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ اس لیے حاجت عام ہے اور ضرورت خاص ہے لیکن جب حاجت شدید ہو جائے اور ضرورت کے درجے تک پہنچ جائے تو اس صورت میں حاجت شدیدہ پر بھی ضرورت کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔

اس قاعدہ کے تحت منتہی مسائل

1:...... انتہائی بھوک کی حالت میں جان بچانے کی غرض سے مردار اور دیگر حرام اشیاء کا بقدر ضرورت کھانا جائز ہے۔

2:...... حلق میں لقمہ پھنس جائے تو پانی اور دیگر حلال مشروب نہ ہونے کی صورت میں زندگی بچانے کے لیے شراب جیسی چیز گلے سے لقمہ اتارنے کے لیے پینا جائز ہے۔ ❶

3:...... جبر واکراہ کی حالت میں رخصت کو اختیار کرتے ہوئے زندگی بچانے کے لیے زبان سے کلمہ کفر ادا کرنا جائز ہے بشرطیکہ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ ہو۔

4:...... اگر ذبح کرنے کے لیے جانور قابو میں نہ آتا ہو تو اسے کسی بھی جگہ زخم لگا کر ذبح کا عمل مکمل کیا جا سکتا ہے گویا کہ یہ ذبح اضطراری کی صورت ہوگی۔

5:...... فریضہ حج کے لیے مالی استطاعت رکھنے کے باوجود راستہ خطرناک ہو تو امن پیدا ہونے تک حج کا عمل ملتوی کیا جا سکتا ہے جب راستہ پر امن ہو جائے تو حج ادا کیا جائے۔

6:...... ایک انسان پر مالی تاوان ادا کرنا ہے اور اس کو دو باتوں کا اختیار دیا گیا ہے: (i) تاوان پورا پورا ادا کرنا۔ (ii) ورنہ جیل میں قید ہونا۔ اس آدمی نے سوچا کہ وہ تاوان سود پر قرض لے کر ہی ادا کر سکتا ہے اور کوئی صورت نہیں ہے اور دوسری طرف اس نے غور کیا کہ

---

❶ تفسیر ثمین: 22/2.

اگر وہ جیل میں چلا گیا تو دو چیزوں کا سامنا کرنا ہوگا یا تو بے وقوف لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے کی وجہ سے اپنے ایمان کے ضیاع کا ڈر ہے یا اس کو اپنے بیوی بچوں کے ضیاع کا خوف ہے۔

سود پر قرض لینے میں فساد یہ ہے کہ سود کھانے والے کی مدد کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر۔ اور اس کے برعکس اس کا سود پر قرض نہ لینا سود کھانے والے کو اللہ تعالیٰ کی اس نافرمانی سے نہیں روک سکتا۔ لہٰذا فساد بہ ہر دو صورت باقی ہے کہ وہ سود پر قرض لے یا نہ لے۔ تو اس قاعدہ کے تحت اس کو مالی تاوان کی مقدار کے حساب سے سود پر قرض لینا جائز ہے اگر اس کے پاس کچھ رقم ہے اور کچھ رقم ابھی باقی ہے تو وہ سود پر اتنا ہی قرض لے گا جتنی رقم کم ہے۔ اس قاعدہ کے تحت ابن عثیمین (رحمہ اللہ) نے دو شرطیں ذکر کی ہے۔ ایک شرط یہ ہے جس کو فقہاء یوں بیان کرتے ہیں:

اَلضَّرُوْرَاتُ تُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا ، ضرورتوں کو ان کی حیثیت کے مطابق اہمیت دی جائے گی۔ اور جب تک عذر موجود ہوگا یہ اجازت باقی رہے گی اور جب عذر ختم ہوگا تو اجازت بھی ختم ہو جائے گی۔ اس کو یوں بیان کیا جاتا ہے:

"اِنَّ الْاِذْنَ بَاقٍ مَا بَقِیَ الْعُذْرُ زَائِلٌ بِزَوَالِهٖ." [1]

''اذن باقی ہے جب تک عذر باقی ہے جب عذر نہ ہو تو اذن بھی نہیں ہوگا۔''

اعتراض:

مذکورہ صورت میں سود پر قرضہ لینے میں فساد یہ ہے کہ یہ معصیت پر مدد کرنا ہے جبکہ دوسری جانب ایمان اور بیوی بچوں کے ضیاع کا خوف ہے سوال یہ ہے کہ خوف فساد، فساد کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب:

فساد کے ڈر کا وہی حکم ہے جو فساد کا ہے، اس مسئلہ میں اور اکراہ کے مسئلہ میں۔ جب کہ

[1] تیسیر علی اصول الفقه: ص341، 342.

قرائن کے ساتھ خوف فساد کا راجح ہونا معلوم ہو۔ ❶

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے دلائل:

ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ مردوں کے حق میں سونے اور ریشم کی حرمت آئی ہے لیکن ضرورت کے تحت احادیث میں ان کی اباحت بھی آئی ہے مثلاً سونے کی ناک لگوانا، سونے کے دانت جڑوانا۔ مثلاً سیدنا زبیر اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو خارش کی وجہ سے ریشمی لباس پہننے کی رخصت دینا۔ یہ تمام احادیث اس پر دال ہیں کہ ضرورت کے وقت حرام چیز کا استعمال جائز ہے۔ ❷

صورت استثناء:

قاعدہ یہ ہے کہ ضرورت کے تحت حرام چیز جائز ہے۔ اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ سد ذرائع کی بناء پر جو چیز حرام ہے وہ حاجت کے وقت جائز ہے جیسا کہ پیچھے معلوم ہو چکا ہے کہ حاجت کا درجہ ضرورت سے کم ہے۔

مثال:......بیع عرایا ہے عرایا یہ عُرْیَۃٌ کی جمع ہے، اس کو عریہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ نقد سے خالی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کو نقدی کے بدلے نہیں بلکہ خشک کھجور کے بدلے بیچا جاتا ہے۔ عریہ کی تعریف یہ ہے کہ تازہ کھجور جو درخت پر لگی ہو اس کو خشک کھجور کے بدلے فروخت کرنا۔ اصل میں تازہ کھجور کو خشک کھجور کے عوض بیچنا حرام ہے کیونکہ تماثل کا علم نہیں ہوتا۔ لیکن یہ سد ذریعہ کی بناء پر حرام ہے کیونکہ اس میں تفاضل معلوم نہیں ہوتا۔ جب انسان اس کا محتاج ہو تو جائز ہے۔

مثال:......ایک فقیر آدمی کے پاس گزشتہ سال کی خشک کھجور ہے، اب موجودہ سال میں تازہ کھجور کا وقت ہے اور فقیر آدمی کے پاس نقدی بھی نہیں ہے جس کے ساتھ وہ تازہ کھجور خرید سکے۔ اس نے کھجور کے درخت پر لگی تازہ کھجور خریدنے کا ارادہ کیا خشک کھجور کے بدلے

---

❶ تیسیر علم اصول الفقه: ص340-341.

❷ مجموع الفتاوی: 12/562-563.

تو یہ جائز ہے۔

وسق کی پیمائش:

وسق کے بارے میں تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ وہ ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اس بارے میں سنن ابن ماجہ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْوَسْقُ سِتُّوْنَ صَاعًا، کہ "وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔" ❶

امام نووی شارح مسلم لکھتے ہیں لغت عرب میں وسق ایک وزن کو کہتے ہیں، وسق میں ساٹھ صاع ہوتے ہیں ایک صاع $5\frac{1}{3}$ رطل کا ہوتا ہے۔ ❷

ایک وسق بحساب حجازی 3 من 15 سیر ہے تو پانچ وسق کا وزن = 16 من 35 سیر ہے۔ ❸

بیع عریہ کے جواز کی شرطیں:

لیکن یہ چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ (1) وہ کھجوریں پانچ وسق سے کم ہوں اس کی دلیل فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْ سُقٍ❹ کے الفاظ ہیں۔ (2) اس بیع میں کھجوروں کو رطب تناول کیا اور کھایا جائے۔ یہ نہ ہو کہ رطب پڑی پڑی خشک ہو جائیں یہ شرط (اَنْ یَّأْكُلُوْهَا رَطْبًا) کے الفاظ سے اخذ کی گئی ہے۔ (3) رطب (تازہ کھجور) تمر (خشک کھجور) برابر ہوں اس کی دلیل اَیَنْقُصُ الرُّطَبُ اِذَا یَبِسَ قَالُوْا نَعَمْ فَنَهٰی عَنْ ذَالِكَ، کیا تازہ کھجور خشک ہو جانے کے بعد کم ہو جاتی ہے کہا ہاں پھر آپ نے منع کر دیا۔ کے الفاظ ہیں: یہ برابری اس اعتبار سے ہے کہ رطب خشک ہو کر تمر کے برابر نکلے۔ جس کو مشتری نے خرچ کیا ہے۔ (4) اس بیع میں محتاط اندازہ ہوگا۔ اس شرط کو اَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا کے الفاظ سے لیا

---

❶ ابن ماجه، كتاب الزكوٰة باب الوسق ستون صاعا.

❷ شرح مسلم: 315/1.

❸ کتاب الاوزان، فاروق اصغر صارم رحمہ اللہ: ص 26، بتغیر یسیر.

❹ ....

گیا ہے۔ (5) مشتری رطب کھجوروں کا محتاج ہو اس کی دلیل رَخَّصَ کے الفاظ ہیں اگر مشتری محتاج نہ ہو تو یہ بیع نہیں ہوگی۔ (6) تازہ کھجور درخت پر لگی ہو نہ کہ اتری ہوئی ہو۔ اس کی دلیل عَلٰی رُؤُوْسِ النَّخْلِ . کے الفاظ ہیں۔ اگر رطب تازہ کھجور پہلے سے کاٹ کر رکھی ہوں گی تو جمہور کے ہاں تمر کے ساتھ ان کی بیع جائز نہیں ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سد ذرائع کی بناء پر جو چیز حرام ہے وہ حاجت کے وقت مباح ہو جاتی ہے۔

سدّ ذرائع کی تعریف:

ذرائع ذریعہ کی جمع ہے اس کا لفظی معنی وسیلہ اور طریقہ ہے سدٌّ کے معنی روکنا ہے اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ ذرائع کا رخ اگر کسی خرابی کی طرف ہے تو انہیں اس تک پہنچنے سے روکا جائے، مثلاً کسی غیر محرم عورت کی طرف دیکھنا ایک ذریعہ ہے اس کو زنا کی خرابی تک جانے سے روکنا سد ذریعہ ہے۔

قاعدہ 11

اَلنَّهْيُ يَقْتَضِيُ الْفَسَادَ

''نہی فساد کا تقاضا کرتی ہے۔''

تشریح:

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے اس پر فساد کا حکم لاگو کرو۔ کیونکہ جب تم کوئی ایسا کام کرو گے جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے تو تم نے اس حکم میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی ہے کیونکہ منہی عنہ کا مقصد اس سے دور رہنا اور اجتناب کرنا ہے۔ منہی عنہ پر عمل کرنا گویا اس کا اقرار کرنا ہے۔

مثال:...... نبی اکرم ﷺ نے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک نماز پڑھنے سے منع کیا ہے:

((لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ.)) [1]

نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں ہے۔ اگر کوئی آدمی بغیر کسی سبب کے ان اوقات میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز نہیں ہوگی بلکہ باطل ہوگی۔ اور جو آدمی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھے گا تو اس کا روزہ باطل ہوگا۔

کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

---

[1] بخاری: 586، مسلم: 827/288.

((لَا صَوْمَ فِي يَوْمَيْنِ: اَلْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى.)) [1]

اور جمعہ کی دوسری اذان کے بعد خرید و فروخت منع ہے۔ اگر کوئی آدمی جس پر جمعہ واجب ہے جمعہ کی دوسری اذان کے بعد کوئی چیز خرید لے تو اس کا یہ سودا باطل ہے۔ اس بیع کے باطل ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ؕ﴾ (الجمعة:9/62)

اس آیت میں دو دلیلیں ہیں: ﴿فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اس میں سعی (دوڑنے) کا حکم ہے تو کسی چیز کا حکم اس کی متضاد چیز کے منع کی دلیل ہوا کرتا ہے اور نہی (ممانعت) فساد کا تقاضی کرتی ہے۔ اور دوسری دلیل ﴿وَ ذَرُوا الْبَیْعَ﴾ ہے یہ الفاظ اس بیع کی حرمت پر واضح نص ہیں اور یہ آیت اس بیع کے فاسد ہونے کو متضمن ہے۔ کیونکہ یہ ایک عقد ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس بیع کی اباحت پر خوش ہونا جائز نہیں ہے بلکہ سود کی حرمت کی طرح اس بیع کا ابطال واجب ہے۔

نہی کی تعریف:

اس کا لغوی معنی روکنا ہے اور اصطلاحی معنی یہ ہے، بلندی مقام کی وجہ سے کسی شخص سے کسی فعل سے رکنے کا مطالبہ کرنا۔

کیا نہی منہی عنہ کے فساد کا تقاضی کرتی ہے؟

اس میں علماء کا اختلاف ہے اس میں کئی مذاہب ہیں: (1) جمہور کا قول ہے کہ یہ مطلقاً منہی عنہ کے فساد کا تقاضی کرتی ہے۔ (2) جمہور متکلمین اور اکثر فقہاء کا قول ہے۔ کہ نہی منہی عنہ کے فساد اور ابطال پر مطلقاً دلالت نہیں کرتی۔ (3) تیسرا قول ہے کہ عبادات میں نہی منہی عنہ کے فساد پر دلالت کرتی ہے معاملات میں نہیں یہ قول ابوالحسین کا ہے، اسی کو امام جوینی نے پسند کیا ہے۔ (4) اگر نہی خاص ہے منہی عنہ کے ساتھ مثلاً نجس لباس (کپڑے) میں

[1] بخاری: 1197، مسلم: 827/140.

نماز پڑھنا، تو یہ اس کے فساد پر دلالت کرتی ہے اگر نہی منہی عنہ کے ساتھ خاص نہیں مثلاً مغصوبہ جگہ پر نماز پڑھنا۔ اور ریشمی کپڑا میں نماز پڑھنا، اذان کے وقت بیع کرنا تو یہ منہی عنہ کے فساد پر دلالت نہیں کرتی۔ (5) بیضاوی اور محققین کی ایک جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے کہ نہی عبادات میں منہی عنہ کے فساد اور بطلان پر دلالت کرتی ہے خواہ منہی عنہ عبادات کا عین ہو یا اس کا امر مقارن ہو باقی رہا معاملات کا مسئلہ تو اس کی کئی اقسام ہیں: (الف) اگر نہی کا تعلق نفس عقد سے ہے تو یہ باطل ہے مثلاً کنکری کی بیع۔ (ب) اگر نہی کا تعلق ایسے امر سے ہے جو عقد میں شامل ہے تو یہ بھی باطل ہے۔ مثلاً بیع ملاقیح، اونٹنی کے حمل کے حمل کو بیچنا۔

(ج) یا نہی کا تعلق ایسے امر سے ہے جو عقد سے خارج ہے لیکن اس کو لازم ہے مثلاً سود۔ (د) یا اس کا تعلق کسی ایسے امر سے ہو جو اس کا قریبی ہو۔ اس کا لازم نہ ہو مثلاً جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت کی ممانعت۔ یہ قسم فساد پر دلالت نہیں کرتی۔ [1]

امام شوکانی رحمہ اللہ کا موقف:

امام شوکانی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: حق مسلک یہ ہے کہ نہی کا شرعی تقاضا منہی عنہ کا ایسا فساد ہے جو بطلان کے ہم معنی ہے، اس میں عبادات اور معاملات اور عقود کا کوئی فرق نہیں ہے، اس سے صرف وہ چیز خارج ہوگی جس کو کوئی دلیل خارج کرے، اس کے دلائل میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ((كُلُّ اَمْرٍ لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ.)) ہر وہ کام (عمل) جس پر ہمارا حکم نہیں وہ مردود ہے اور منہی عنہ بھی غیر مامور بہ ہے لہٰذا وہ بھی مردود ہے جو چیز مردود ہو وہ باطل ہوتی ہے، نہی کے مقتضی للفساد ہونے کا بھی یہی مطلب ہے۔ [2]

[1] ارشاد الفحول: ص110، القواعد والفوائد الاصولية: ص 192۔

[2] ارشاد الفحول: ص110، القواعد والفوائد الاصولية: ص 192۔

قاعدہ 12

كُلُّ نَهْيٍ عَادٍ لِلذَّوَاتِ

''ہر نہی (ممانعت) لوٹنے والی ہے ذات کی طرف۔''

تشریح

اس میں نہی کے مقتضی للفساد ہونے کا بیان ہے کہ ہر وہ نہی جو منہی عنہ کی ذات یا اس کی شرط کی طرف لوٹنے والی ہے، یعنی جب نہی کسی شئی کی ذات یا اس کی شرط کے متعلق ہو تو اس کو فاسد کہو۔ اگر ممانعت کا تعلق امر خارج سے ہو تو اس کو فاسد نہ کہو۔ ممانعت کا عبادات میں منہی عنہ کے ساتھ تعلق کی مثال یہ ہے کہ نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت اور عیدین کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔ اور ممانعت کا شرط کے ساتھ تعلق رکھنے کی مثال۔ حمام میں نماز پڑھنے کی ممانعت جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((اَلْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبُرَةَ وَالْحَمَّامَ.)) ❶

''زمین ساری کی ساری مسجد ہے مگر قبرستان اور حمام۔''

اور معاملات میں ممانعت کی مثال۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبْلِ الْحَبَلَةِ)) ❷ ''حمل کے حمل کی بیع سے منع فرمایا۔''

اگر نہی کا تعلق ایسے امر سے ہو جو عبادت کی ذات اور اس کی شرط سے خارج ہے مثلاً عمامہ محرمہ یہ نقصان دہ نہیں ہے یعنی یہ عبادت کو فاسد نہیں کرتا۔ اس میں علت کو غور سے سمجھو۔ اور علت وہ ہوتی ہے جو عبادت کی ذات اور اس کی شرط سے خارج ہو۔ کیونکہ عمامہ عبادت کی ذات کے متعلق شرط نہیں ہے۔ کیونکہ عمامہ نماز میں شرط نہیں ہے۔ عمامہ کے بغیر نماز درست ہوتی ہے۔ اور نہ یہ نماز کی ذات کے بارے نہی (ممانعت) ہے لہٰذا یہ نماز کے فساد کے لیے غیر موجب ہے۔

❶ ابوداود: 492، ترمذی: 317، ابن ماجه: 745، دارمی: 323/1.

❷ بخاری: 2142، مسلم: 1514 عن ابن عمر.

قاعدہ 13

اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَآءِ الْحِلُّ

''اشیاء میں اصل حلت ہے۔''

تشریح

اشیاء میں اصل عموم ہے خواہ افعال ہوں اور اعیان ہوں ہر شئی میں اصل حلت ہے۔

اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ﴾ (البقرة:29/2)

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔''

یہ دلیل اعیان اور منافع دونوں کو عام ہے۔ لیکن معاملات میں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ (البقرة: 275) اس میں اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے تو اس میں اصل حلت ہے اور اسی طرح دیگر عقود (معاملات) میں۔

اس قاعدہ کی رو سے اگر تم کسی کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھو تو تم اس کو کہو: یہ حرام ہے، تو وہ پوچھے گا تمہارے پاس اس کی حرمت کی کیا دلیل ہے؟ تو اس وقت اس شئی کی حرمت پر تم سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اشیاء کی اصل میں علماء کا اختلاف ہے۔ کیا اس کو اباحت پر محمول کیا جائے گا یا حرام پر یا توقف پر، اس میں تین مذہب ہیں:

(1):...... اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ یہ مذہب امام ابوحنیفہ، ابن سریج، ابو اسحاق

سفرائینی رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے۔ ❶

اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو ہمارے لیے اور ہمارے اغراض و مقاصد کے لیے پیدا کیا ہے اور جو ہمارے لیے ہو وہ مباح ہے کیونکہ اس پر کوئی فساد مرتب نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس کے مالک کا کوئی نقصان ہے اور مالک اللہ تعالیٰ ہے اس کو کسی دوسرے کی دیوار کے سایہ سے انتفاع حاصل کرنے اور کسی سے انگارہ لینے پر قیاس کرلو کیونکہ اس میں مالک کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

(2)..... اشیاء میں اصل حرمت ہے یہ مذہب ابن ابی ہریرہ، شیعہ امامیہ اور بغداد کے بعض معتزلہ کا ہے۔ ❷

اس کی دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ کسی دوسرے کی ملکیت میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرنا قبیح ہے، کیونکہ اشیاء کلھم اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ کوئی چیز پکڑے حتیٰ کہ اس کے بارے شرع وارد ہو جیسا کہ مخلوق کے حق میں ہے۔

(3)..... توقف اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ نقصان دہ اشیاء میں اصل بات حرمت ہے۔ اور نفع مند اشیاء میں اصل بات اباحت ہے، یہ مذہب ابوالحسن اشعری، ابوبکر صیرفی، ابو علی طبری، غزالی اور بعض حنفیہ کا ہے۔ ❸

---

❶ ارشاد الفحول: ص139، مختصر ابن حاجب: 216/1.

❷ ارشاد الفحول: ص 284، مختصر ابن حاجب: 317/1.

❸ ارشاد الفحول: ص 285، غاية الوصول: ص 139، القواعد الفقهيه از ابن عثیمین رحمہ اللہ: حاشیہ2، ص 31-32.

قاعدہ 14

اَلْاَصْلُ فِی الْعِبَادَاتِ الْمَنْعُ

''عبادات میں اصل چیز منع ہے۔''

تشریح

عبادات میں اصل چیز منع اور باز رہنا ہے مگر شرع جس کی اجازت دے دے۔ اور اس قاعدے کا ماخذ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ.)) ❶

''جو کوئی آدمی عمل کرے اور اس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ عمل مردود ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ؕ﴾

(الشوریٰ:21/42)

''کیا ان لوگوں نے ایسے اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں، جنہوں نے ایسے احکام دین میں مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔''

یہ قاعدہ اور اصل آپ کو اس وقت فائدہ دے گا جب تم کسی کو عبادت کرتے ہوئے دیکھو اور تم انکار کرو۔ وہ آدمی کہے گا تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے تو تم کہو تمہارے پاس اس عبادت کے کرنے کی کیا دلیل ہے؟ کیونکہ آپ سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

مثال: ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّهُ قَبَّلَ الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ وَقَالَ اِنِّیْ

❶ بخاری: 2697، مسلم: 1718/17.

أَعْـلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ)) ❶

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور کہا میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نقصان دیتا ہے نہ فائدہ دیتا ہے۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔

وضاحت:......اس حدیث سے ایک عظیم شرعی اصول بھی اخذ کیا گیا ہے کہ (الاصل فی العبادة المنع) کہ عبادات میں اصل ممانعت ہے۔ اِلَّا کہ جسے اللہ اور اس کے رسول نے مشروع قرار دیا ہو۔ عبادات میں رائے اور استحسان کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

---

❶ بخاری: ۱۵۹۷، مسلم: ۱۲۷۰، ابو داؤد: ۱۸۷۳، ترمذی: ۸۶۰، ابن ماجه: ۲۹۴۳.

قاعدہ 15

اَلرُّجُوْعُ لِلْاَصْلِ عِنْدَ الشَّكِّ.

''شک کے وقت اصل کی طرف رجوع کرنا''

تشریح

جب ہم کسی چیز میں شک کریں کہ یہ حلال ہے یا حرام؟ یا کسی عمل میں شک ہو کہ یہ عبادت ہے یا نہیں؟ تو اس موقع پر اصل کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اگر وہ چیز غیر عبادت ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ حلال ہے کیونکہ غیر عبادات میں اصل چیز حلت ہے اگر وہ چیز عبادات سے ہے تو ہم کہیں گے کہ وہ حرام ہے کیونکہ عبادات میں اصل چیز حرمت ہے۔ یہ قاعدہ آپ کو بہت اشیاء میں فائدہ دے گا۔ مثلاً جب تم اڑتے ہوئے پرندے کے بارے کہو کہ یہ حلال ہے اور دوسرا کہے کہ یہ حرام ہے۔ حرام کہنے والے پر دلیل دینا لازم ہے اس کو کہا جائے گا دلیل دو کیونکہ اشیاء میں اصل چیز حلت ہے، جب کوئی انسان تقرب الی اللہ کے لیے کوئی عبادت کرے یا عمل کرے ایک آدمی کہے اس کے مشروع ہونے پر دلیل لاؤ اگر وہ دلیل پیش کر دے تو ٹھیک ہے کیونکہ یہی مطلوب ہے۔ اگر دلیل پیش نہ کرے تو اس کا عمل منکر اور بدعت ہے۔ لہٰذا کسی حکم میں شک ہو تو دونوں قسموں میں اصل کی طرف رجوع کرو پھر اس کی اتباع کرو۔

قاعدہ 16

اَلْاَصْلُ فِي الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ عَلَى الْحَتْمِ.

"امر اور نہی کی اصل، یقین اور پختگی پر ہے۔"

تشریح

امر اور نہی میں اصل حتمیت (یقین اور پختگی) ہے یعنی امر حقیقت میں مامور بہ کے وجوب کے لیے آتا ہے اور نہی حقیقت میں منہی عنہ کی حرمت کے لیے آتی ہے۔ مگر جب کوئی دلیل آجائے جو ان دونوں کو کسی دوسرے معنی کی طرف پھیر دے تو پھر دلیل کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔ یعنی قرائن جس معنی کے متقاضی ہوں گے وہی معنی مراد ہوگا۔

وجوب امر کی مثال:

﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (النور: 24/ 56)

اور نہی کی حرمت پر دلالت کرنے کی مثال:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ (الاسراء: 17/32) "اور تم زنا کے قریب نہ جاؤ۔"

اور امر ندب کے معنی بھی دیتا ہے۔ مثلاً ﴿وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ (المائدۃ: 2/5) اس میں فَاصْطَادُوْا کا صیغہ شکار کی حرمت کے بعد ہی ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ (المائدۃ: 1/5)

"شکار کو حلال نہ جاننے والے جب تم احرام میں ہو۔"

بالاتفاق یہاں اصطیاد (شکار) سے صرف جواز مراد ہے وجوب مراد نہیں اور نہی کراہت کے معنی میں بھی آتی ہے، مثلاً لَا تُصَلُّوْا فِي مُبَارَكِ الْاِبِلِ، اور تم اونٹوں کے باڑوں میں نماز نہ پڑھو۔ [1] امر اور نہی کے اور بھی کئی معانی ہیں لیکن وہ قرائن کے ساتھ متعین ہوں گے۔

[1] رواہ مسلم: 360، ترمذی: 348، ابوداود: 184، 493، ابن ماجہ: 768، 769، احمد: 9516، 9992، 10233، 27852.

قاعدہ 17

اَلْمَنْدُوْبُ

مندوب

تشریح

جب کسی قولی یا فعلی عمل پر کوئی فضیلت مرتب ہو تو وہ کام مندوب ہوتا ہے بشرطیکہ کہ وہ صیغہ امر کے ساتھ نہ ہو۔ اگر وہ صیغہ امر کے ساتھ ہوگا تو پھر وہ وجوب کے لیے ہوگا کیونکہ امر وجوب کے لیے آتا ہے۔

جب شارع کسی قولی یا فعلی عمل پر فضیلت کو مرتب کرے تو یہ اس عمل کے مستحب ہونے کی دلیل ہے اگر وہ مستحب نہ ہوتا تو شارع اس عمل پر فضیلت کو مترتب نہ کرتے بشرطیکہ امر کے ساتھ مقترن نہ ہو اگر امر کے ساتھ ہوگا تو پھر اس کا وہی حکم ہے جو آپ امر کے بارے میں پڑھ آئے ہیں کہ امر وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے ہے۔

کیا مندوب مامور بہ ہے؟

پہلے مندوب کی تعریف ملاحظہ کریں کہ مندوب وہ ہے، جس کا کرنا شارع نے لازم ٹھہرائے بغیر طلب کیا ہو، اس حیثیت سے کہ اس کے کرنے والے کی تعریف کی جائے گی اور اسے ثواب دیا جائے گا اور اس کو ترک کرنے والے کی مذمت نہیں کی جائے گی اور نہ اسے سزا دی جائے گی۔ [1] اب سوال یہ ہے کہ مندوب مامور بہ ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ مندوب مامور بہ ہے کیونکہ امر کی دو اقسام ہیں: (الف) امر جازم یعنی جس کے ترک کرنے میں سزا ہے وہ ہے واجب۔ (ب) اور امر غیر جازم۔ یعنی جس کے ترک کرنے پر سزا نہیں ہے وہ ہے مندوب۔ اور امر کا مندوب کو شامل ہونے پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] الوجیز: ص 65، مترجم اسلم شاهدروی.

﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ﴾ (الحج:77/22)

''تم بھلائی کرو۔''

یعنی مندوب بھی اسی سے ہے اور دوسری دلیل:

﴿وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (لقمان:17/31)

''اور نیکی کا حکم دو۔''

یعنی مندوب بھی اسی سے ہے۔ اور تیسری دلیل:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾ (النحل:90/16)

''بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں انصاف کا اور احسان کا اور قریبی رشتہ داروں کو دینے کا۔''

یعنی احسان کرنا ذوی القربیٰ کو صدقہ وخیرات دینا یہ مندوب ہی ہے۔

جو کہتے ہیں کہ مندوب غیر مامور بہ ہے وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾﴾ (النور:63/24)

''ڈریں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں (اس بات سے) کہ پہنچے گا ان کو فتنہ یا پہنچے گا ان کو دردناک عذاب۔''

وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو فتنہ اور عذاب الیم کی دھمکی دی گئی ہے جبکہ ندب کا مطلب ہے کہ جس کے ترک کرنے پر ان (فتنہ اور عذاب الیم) میں سے کوئی چیز بھی لازم نہیں آتی۔ اور دوسری دلیل حدیث ہے:

((لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلوٰةٍ.))[1]

---

[1] بخاري: 887، مسلم: 252، ابوداود: 46، ترمذي: 22، نسائي: 12/1، ابن ماجه: 287، احمد: 245/2، ابن خزيمه: 139.

''اگر مجھے میری امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔''

تو ان دلیلوں سے ثابت ہوا کہ مندوب غیر مامور بہ ہے۔

جواب: ......آیت اور حدیث میں جو امر مذکور ہے وہ امر واجب ہے لیکن اس سے یہ نفی نہیں ہوتی کہ امر کا لفظ غیر واجب پر نہیں بولا جا سکتا۔ حالانکہ امر کبھی اس پر اور کبھی اس پر بولا جاتا ہے۔[1]

[1] القواعد الفقهيه، لابن عثيمين: ص 35، حاشيه: 1.

قاعدہ 18

فِعْلُ النَّبِيِّ ﷺ.

”نبی کریم ﷺ کا فعل“

تشریح

جب نبی کریم ﷺ سے کوئی فعل بغیر کسی حکم کے وارد ہوتو وہ فعل ندب (استحباب) کے لیے ہے بشرطیکہ اس فعل سے مقصود عبادت ہو۔

مثال 1:...... بے شک نبی کریم ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو مسواک سے ابتداء کرتے حدیث میں ہے مقداد بن شریح اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

((بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ؟ قَالَتْ: بِالسِّوَاكِ.)) [1]

”کہ نبی کریم ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو پہلے کون سا کام کرتے؟ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مسواک کرتے۔“

ہم یہ نہیں کہتے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت مسواک کرنا واجب ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے کیونکہ آپ ﷺ کا یہ فعل امر سے خالی ہے۔

مثال 2:...... نبی کریم ﷺ کا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو گھمانا جبکہ صلوٰۃ اللیل میں وہ

---

[1] مسلم: 253/43.

آپ کی بائیں جانب کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو گھما کر دائیں جانب کھڑا کیا۔ یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ ❶ ہم کہتے ہیں کہ ایک مقتدی کا امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا سنت ہے واجب نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ کا یہ فعل امر (حکم) سے خالی ہے۔ لہٰذا جو فعل حکم سے خالی ہو تو وہ استحباب کے لیے ہوتا ہے بشرطیکہ عبادت ہو۔ نبی کریم ﷺ کے افعال کے حکم کے بارے درج ذیل کتب دیکھیے۔ ❷

اگر نبی کریم ﷺ کا فعل کسی ایسے امر کی وضاحت کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس فعل کا حکم وہی ہے جو اس امر کا حکم ہے۔ یعنی اگر امر وجوب کا ہے تو وہ فعل بھی واجب ہے، اگر وہ امر استحباب کے لیے ہے تو وہ فعل بھی استحباب کے لیے ہوگا۔

---

❶ بخاری: 6316، مسلم: 763/181.

❷ البرهان: 448/1، المستصفى: 214/2، الاحكام للآمدي: 174/1، احكام الفصول: ص310.

قاعدہ 19

اِذَا تَعَارَضَتِ الْمَصَالِحُ قُدِّمَ الْاَعْلٰی

”جب مصالح متعارض ہوں تو اعلیٰ کو مقدم کیا جائے گا۔“

تشریح

جب مصالح (اچھائیاں) متزاحم ہوں اور ان میں سے ایک کو ترک کرنا ضروری ہو تو اصلح کو مقدم کرنا واجب ہے۔ زیادتی کو طلب کرتے ہوئے مثلاً واجب اور مستحب متعارض ہو جائیں تو ہم واجب کو مقدم رکھیں گے کیونکہ واجب اعلیٰ ہے مستحب سے۔ اسی طرح جب سنن راتبہ (سنن مؤکدہ) اور نفل مطلق متعارض ہوں تو سنن راتبہ کو مقدم کریں گے کیونکہ ان کی زیادہ تاکید آئی ہے بنسبت نفل مطلق کے۔ لیکن مظالم اس کے برعکس ہیں مظالم وہ ہیں جس میں مفاسد ہوں۔ تو ادنیٰ مفاسد کو مقدم رکھتے ہیں۔ یعنی جب ہم بڑے مفاسد اور چھوٹے مفاسد کے ارتکاب کرنے پر مجبور ہوں تو چھوٹے مفاسد کے ارتکاب کو مقدم رکھیں گے۔ یعنی جب دو خرابیاں متعارض ہوں تو ان میں سے آسان کو اختیار کیا جائے گا بڑی خرابی سے بچنے کے لیے۔

یہ قاعدہ ضرر کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت زیادہ احکام کو منضبط ہے۔ اس قاعدہ کو فقہاء نے مختلف انداز اور متقارب الالفاظ کے صیغوں سے تعبیر کیا ہے لیکن مفہوم سب کا ایک ہی ہے:
(1) اِنَّ الضَّرَرَ اِنَّمَا يُزَالُ اِذَا لَمْ يَنْشَاءْ مِنْ اِزَالَتِهٖ ضَرَرٌ مِثْلُهٗ اَوْ اَشَدُّ، (2) اِذَا تَعَارَضَتْ مَفْسَدَتَانِ رُوْعِيَ اَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا بِارْتِكَابِ اَخَفِّهِمَا (3) يُخْتَارُ اَهْوَنُ الشَّرَّيْنِ (4) اِذَا اجْتَمَعَ ضَرَرَانِ اَسْقَطَ الْاَصْغَرُ الْاَكْبَرَ (5) اَلضَّرَرَانِ اِذَا اجْتَمَعَا وَلَمْ يَكُنْ لِاَحَدِهِمَا مَزِيَّةٌ غَلَبَ اَخَفُّهُمَا. (6) اِنَّمَا

يُرْفَعُ اَعْظَمُ الضَّرَرَيْنِ بِأَهْوَنَ مِنْهُ (7) يَجِبُ دَفْعُ مَا يَنْدَفِعُ بِهِ اَعْظَمُ الضَّرَرَيْنِ بِالْتِزَامِ اَدْنَاهُمَا، یہ تمام تعبیرات مختلف ہیں لیکن مفہوم اور مطلوب سب کا ایک ہی ہے۔ [1]

مثال 1:...... جب دو حرام امر متعارض ہوں تو ان دونوں میں سے ادنی کو مقدم رکھیں گے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تاتاریوں کی قوم کے پاس سے گزرے جو شراب پی رہے تھے۔ شیخ الاسلام نے ان کو شراب پینے سے نہ روکا۔ ان سے کسی دوست نے پوچھا آپ نے ان کو کیوں نہیں روکا؟ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے کہا اگر وہ شراب چھوڑ دیتے تو وہ لوگوں کی عزتیں پامال کرتے اور مال و متاع لوٹتے یہ بہت بڑا ظلم ہے جبکہ شراب پینے کا ظلم فقط ان کی اپنی ذات کی حد تک ہے۔

مثال 2:...... مشرکین کے معبودوں کو برا نہ کہنا ایک فساد ہے کیونکہ ان کے معبودوں کو برا کہنے سے یہ لازم آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو گالی دیں گے تو پھر ان کے معبودوں کو گالی دینے سے رکنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۸ ﴾ (الانعام:6/108)

''اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ جہالت کی بنا پر حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کے لیے ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے، پھر اپنے رب کے پاس ان کو جانا ہے پس وہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔''

---

[1] القواعد الفقهيه: ص 37، حاشيه 1.

قاعدہ 20

اِذَا تَعَارَضَ ضَرَرَانِ اِدْفَعْ بِاَخَفِّهِمَا.

”جب دو ضرر متعارض ہوں تو تم (شدید ضرر کا) ازالہ کرو اخف کے ساتھ“

تشریح

یہ قاعدہ پچھلے قاعدہ (19) کا تتمہ ہے۔ یعنی جب ایک چیز میں ضرر ہو اور دوسری چیز میں اس سے زیادہ ضرر ہو یعنی دونوں نقصانوں میں سے ایک بڑا ہو اور ایک چھوٹا ہو تو بڑے نقصان کو ختم کرنے کے لیے چھوٹا نقصان برداشت کیا جائے گا۔ اور ایسے ہی دو فاضل چیزوں میں سے عالی کو لے لو۔ دو نقصانوں میں سے چھوٹے کو لینے کی مثال یہ ہے۔

مثال: ...... جب خضر علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کشتی پر سوار ہوئے تو سیدنا خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑ دیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا﴾ (الکهف: 71)

”موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کیا آپ اسے توڑ رہے ہیں تاکہ کشتی والوں کو ڈبو دیں یہ تو آپ نے بڑی (خطرناک) بات کر دی۔“

پھر سیدنا خضر علیہ السلام نے بیان کیا کہ اگر یہ کشتی صحیح سلامت رہتی تو اس کو ظالم بادشاہ چھین لیتا۔ معلوم ہوا کشتی کا تختہ توڑنے میں ضرر ہے اور دوسری جانب مکمل کشتی کا چھن جانا بہت بڑا ضرر ہے تو خضر علیہ السلام نے بڑے نقصان سے بچنے کے لیے کم نقصان کو اپنایا۔ اس قاعدہ کے تحت اور بھی فروعات ہیں۔ (1) فاقد الطهورين (پانی، مٹی کا نہ ملنا) یا ان دونوں کے استعمال سے عاجز آدمی بغیر طہارت کے نماز پڑھ لے۔ (2) بچے کی ایک ایسے ماحول میں تربیت کرنا جس میں حرام اور شبہات کی کمائی زیادہ ہے حلال کم اور نادر ہے تو ایسی صورت میں حفاظت

نفس کی ضرورت کو مت ترک کرو ان مفاسد کے پائے جانے کی وجہ سے۔ (3) انسان کو دو چیزوں کا اختیار ہے: ایسی جگہ علم حاصل کرنا جہاں وہ برائی دیکھتا ہے اور خاموش رہتا ہے، یا علم حاصل نہیں کرتا بلکہ جہالت اوران پڑھ حالت پر رہتا ہے۔ پہلی صورت اختیار کرنا مقدم ہے کیونکہ حفاظت دین کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے، اور برائی سے انکار کرنے سے خاموش رہنا اس کی رخصت ہے چند احوال میں۔ (4) مسلمان کو تکلیف سے بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے، جائز صورت میں۔ اور اپنے نفس اور اہل وعیال اور مال کو تنگی سے بچانے کے لیے اسلام کو چھپانا، اور دین کو ظاہر نہ کرنا جائز ہے۔ [1]

(5) اگر کسی آدمی کو ایسا زخم لگا ہے جو سجدہ کرنے سے جاری ہونے لگتا ہے تو اس آدمی کو بیٹھ کر اشاروں کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہیے کیونکہ نماز کو بے وضو ادا کرنے کے مقابلہ میں ترک سجدہ آسان ہے۔ [2]

(6) اگر ماں فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچے کی موجودگی کا علم یقینی ہو تو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکالنا جائز ہے۔

(7) ایک بحری جہاز تیزی سے جا رہا ہے اچانک اس کے کپتان کے سامنے آنے والی ایک کشتی پر نظر پڑی جس میں چند ایک مسافر موجود ہیں۔ دوسری طرف دیکھا تو جہاز ہے جس میں بہت سے افراد سوار ہیں اور صورت حال بھی ایسی ہے کہ جہاز کو ان دو اطراف کی جانب ہی موڑا جا سکتا ہے تو جہاز کو کشتی کی جانب موڑ لینا جائز ہے بے شک کشتی والوں کو نقصان پہنچے کیونکہ جہاز میں مسافر سوار زیادہ ہیں بعینہ اس جیسی صورت حال بس ڈرائیور کو بھی پیش آ سکتی ہے۔

نوٹ: ...... جب دو فاضل اشیاء جمع ہوں ان میں ایک اعلیٰ ہو دوسری سے تو ہم اعلیٰ کو لیں گے کیونکہ اس میں فضیلت زیادہ ہے۔ مثلاً سنن موکدہ اور نوافل مطلق۔

---

1. القواعد الفقهيه، لابن عثيمين: ص 38، حاشيه 1.
2. شرح المجلة: ص 68.

قاعدہ 21

إِذَا اجْتَمَعَ مُبَاحٌ وَمَحْظُورٌ، غَلَبَ الْمَحْظُورُ.

”جب مباح اور حرام چیزیں اکٹھی ہوں تو حرام کا پہلو غالب ہوگا۔“

تشریح

اس قاعدہ کو علماء ان الفاظ میں بھی تعبیر کرتے ہیں: (إِذَا اجْتَمَعَ مُبَاحٌ وَحَاظِرٌ، غَلَبَ جَانِبُ الْحَاظِرِ اِحْتِيَاطًا) ”کیونکہ حرام سے اجتناب (بچنا) حلال اور حرام سے مکمل اجتناب کرنے کے ساتھ ہے۔“ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ ﴾ (المائدہ:90/5)

”اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں ہیں شیطانی کام ہے ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوے کو حرام کیا ہے جب کہ ان میں لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں لیکن جب شر کا پہلو غالب ہو تو ممنوع ہے۔

مثال:

((عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَأَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ، وَإِنْ أَدْرَكْتَهُ قَدْ قَتَلَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ، وَإِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهُ وَقَدْ قَتَلَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَيُّهُمَا

قَتَلَهُ، وَإِنْ رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ تعالى، فَإِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ فِيْهِ إِلَّا أَثَرَ سَهْمِكَ فَكُلْ إِنْ شِئْتَ، وَإِنْ وَجَدْتَهُ غَرِيْقًا فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ متفق عَلَيْهِ. [1]

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنا (شکاری) کتا شکار کے لیے چھوڑو تو اس پر اللہ کا نام (یعنی بسم اللہ) پڑھ لیا کرو پھر اگر وہ تمہارے لیے شکار کو روک لے اور تم اسے زندہ پالو تو اس کو ذبح کرو اور اگر تم اس کو مردہ حالت میں پاؤ اور اس کتے نے اس میں کچھ نہ کھایا ہو تو تم اس کو کھالو اور اگر تم اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو پاؤ اور شکار مرا ہوا پاؤ تو اسے نہ کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے۔ کہ دونوں میں سے کس نے اس کو مارا ہے اور اگر تم تیر پھینکو تو اللہ کا نام پڑھو اور پھر اگر شکار ایک دن تک بھی تمہاری نظروں سے اوجھل رہے اور تم اس میں صرف اپنے تیر کا نشان پاؤ تو چاہو تو کھاؤ اگر تم اس کو پانی میں ڈوبا ہوا پاؤ تو نہ کھاؤ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو پاؤ اور شکار کو مرا ہوا پاؤ تو اس کو نہ کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ دونوں میں سے کس نے اسے مارا ہے۔ اگر تیر یا نیزہ وغیرہ پھینک کر شکار کیا گیا ہو اور شکار گم ہو جائے پھر کچھ دیر بعد حتی کہ ایک دن کے بعد بھی ملے اگر اپنے تیر یا نیزے کے زخم کے علاوہ کسی اور چیز کا زخم نہ ہو تو اس کو کھانا جائز ہے۔ بصورت دیگر اس کو کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی اور سے مرا ہوا۔

اسی طرح اگر شکار پانی میں گر جائے تب بھی اسے نہیں کھایا جائے گا کیونکہ اس صورت میں یہ امکان ہے کہ وہ شکار تیر کی وجہ سے نہیں بلکہ پانی میں گرنے کی وجہ سے مرا ہو۔

---

[1] بخاری، 5475۔ 5477۔ 5487۔ مسلم: 1929، ابو داؤد: 2847، ترمذی: 1464۔ 1468۔ 1471، نسائی: 7/179۔ ابن ماجہ: 3208۔ 3213۔

قاعدہ 22

اَلْحُکْمُ یَدُوْرُ مَعَ عِلَّتِهٖ وُجُوْدًا وَعَدَمًا.

"حکم کا دارومدار علت پر ہے وجود وعدم کے اعتبار سے۔"

تشریح

یعنی حکم کا دارومدار علت پر ہے اگر علت ہے تو حکم ہے اگر علت نہیں تو حکم بھی نہیں۔

علت کی تعریف:

اَلْعِلَّةُ هِیَ وَصْفٌ ظَاهِرٌ مُنْضَبِطٌ الَّذِیْ بُنِیَ عَلَیْهِ الْحُکْمُ وَرَبَطَ بِهٖ وُجُوْدًا وَعَدَمًا.

"علت (کسی شرعی حکم کی) ایسی ظاہری، متعین اور باقاعدہ صفت ہے جس پر کسی حکم کی بنیاد رکھی گئی ہوتی ہے۔"

اس صفت کے موجود ہونے سے وہ حکم نافذ ہوتا ہے اور اس صفت کے موجود نہ ہونے سے وہ حکم معدوم ہو جاتا ہے۔

علت کی شرائط:

اس کی پانچ شرائط ہیں: (1) علت ایک ظاہر وصف اور واضح نشانی کا حامل ہونا چاہیے یعنی واضح ہو جس کو دیکھ کر ہر انسان سمجھ سکے جس طرح شراب کی علت نشہ آور ہونا ہے۔

(2) علت ایک متعین اور غیر متبدل وصف ہونا چاہیے۔ یعنی اس میں تبدیلی نہ ہو سکے۔ جس طرح نماز جمعہ کے وقت خرید و فروخت چھوڑ دینے کی علت مشغولیت کی وجہ سے نماز جمعہ کا چھوٹ جانا ہے اب اس وصف میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

(3) علت کا وصف حکم کے مناسب ہونا چاہیے یعنی قیاس کے لیے ایسی علت قائم نہ کی

جائے جو شریعت اسلامیہ کے مطابق نہ ہو۔

(4) علت ایک متعدی وصف ہونا چاہیے یعنی جو فرع میں پایا جا سکے۔

(5) علت ایسا وصف ہو جس کو شارع نے غیر معتبر قرار نہ دیا ہو۔

علت اور حکمت میں فرق:

علماء اصول علت اور حکمت میں فرق کرتے ہیں۔ علت ایک ایسا وصف ہے جو واضح اور متعین ہوتا ہے، لیکن حکمت متعین وصف نہیں ہوتا۔ مثلاً نماز میں سفر کی وجہ سے قصر کرنا یا رمضان میں سفر کی وجہ سے روزہ ترک کر دینا۔ اس کی حکمت مشقت ہے لیکن اس کی علت سفر ہے اب اگر سفر میں مشقت نہ بھی ہو تو اس میں نماز کی قصر۔ جمع بین الصلاتین، روزہ کی قضاء وغیرہ کا حکم جاری ہوگا۔ اگر کوئی آدمی گھر یا اپنے شہر وغیرہ میں بہت ہی مشقت کا کام کر رہا ہو تو اس کو یہ سہولتیں نہیں مل سکتی کیونکہ ان سہولتوں کی علت سفر ہے مشقت نہیں۔ اور وہ شخص حضر میں ہے سفر میں نہیں ہے۔ [1]

مثلاً:.....شراب حرام ہے کیونکہ وہ نشہ آور ہے۔ اگر اسکار (نشہ) ہوگا تو تحریم ہوگی وہ جو بھی مادہ (آئٹم، اجزائے ترکیبی) ہو اگر نشہ نہیں تو تحریم نہیں۔ حتیٰ کہ انگور وغیرہ کی نبیذ میں بھی اگر اسکار ہوگا تو تحریم ہوگی (کیونکہ حکم کا مدار علت پر ہے وجوداً اور عدماً۔ مرض مع المشقہ کی وجہ سے افطار جائز ہے بشرطیکہ مرض کے ساتھ مشقت ہو تو حکم (افطار) ثابت ہوگا۔ جب مشقت نہ ہو تو افطار جائز نہیں ہے عدم وجود علت کی وجہ سے۔ اس پر مثالیں کثیر ہیں۔

---

[1] اسلامی اصول فقہ، ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی: 235-236.

قاعدہ 23

اَلشَّيُّ اِذَا قُدِّمَ عَلٰى سَبَبِهٖ اَوْعَلٰى شَرْطِهٖ.

"شئی جب سبب یا شرط پر مقدم ہو (تو کیا حکم ہے؟)"

تشریح

کوئی بھی شئی جب اپنے سبب پر مقدم ہوگی تو وہ لغو ہے کیونکہ وہ شئی اس وقت تک ثابت نہیں ہوگی جب تک پہلے اس کا سبب نہ ہو۔ جب وہ شئی اپنی شرط پر مقدم ہو تو وہ شئی معتبر ہے۔

مثال: ......مثلاً ایک آدمی قسم اٹھانے سے پہلے ہی قسم کا کفارہ ادا کردے تو یہ کفایت نہیں کرے گا کیونکہ یہ کفارہ سبب پائے جانے سے پہلے ہے، اگر کوئی آدمی کسی چیز پر قسم اٹھائے پھر قسم توڑنے سے قبل اس کا کفارہ دے دے تو درست ہے کیونکہ یہ کفارہ وجود سبب کے بعد ہے۔ اور وجود شرط سے قبل ہے۔ کیونکہ احکام کے اسباب اور شروط بھی ہوتے ہیں تو سبب موجب حکم ہے۔ زکاۃ کا سبب نصاب کا مالک ہونا ہے اور اس کی شرط ایک سال مکمل ہونا ہے۔

اگر زکوٰۃ آدمی نے ملک نصاب سے قبل دی تو یہ جائز نہیں ہے، اگر ایک سال مکمل ہونے سے قبل دے دی تو یہ جائز ہے۔

سبب کی تعریف:

سبب کا لغوی معنی اس ذریعہ کے ہیں جس سے کسی مقصود تک پہنچا جائے۔ اصطلاح میں سبب اس چیز کو کہتے ہیں جس کو شریعت نے کسی شرعی حکم کی ادائیگی کے لیے علامت یا معرفت کا ذریعہ بنایا ہو۔ اس طرح اس چیز کے وجود کے ساتھ وہ حکم موجود ہو اور اس کے معدوم

ہونے کے ساتھ وہ حکم بھی معدوم ہو جائے۔ مثلاً سورج کے ڈھل جانے سے نماز کا وجوب ہوتا ہے یعنی زوال آفتاب ظہر کی نماز کے وجود کا سبب ہے اور اسی طرح رمضان کا مہینہ روزوں کے وجوب کا سبب ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ (البقرة:185/2)

اور اسی طرح چوری ہاتھ کے کٹنے کا سبب ہے۔ [1]

شرط کی تعریف:

ایسا فعل جس کی موجودگی پر کسی حکم کی ادائیگی کا دارمدار ہو یعنی اس کے ہوتے ہوئے حکم پر عمل کیا جا سکتا ہو اور اس کے نہ ہونے سے اس حکم پر عمل نہ ہو سکتا ہو لیکن اس کی موجودگی میں اس حکم پر عمل لازم ہو۔ مثلاً جیسے نماز کے لیے وضوء شرط ہے، عقد نکاح کے لیے گواہوں کا حاضر ہونا شرط ہے۔ [2]

---

[1] الایضاح: ص 37، روضة الناظر: ص30.

[2] اصول البزدوی: 172/2، تقریب الوصول: ص109-110.

قاعدہ 24

اَلشَّیْئُ لَا یَتِمُّ اِلَّا اَنْ یَتِمَّ شُرُوْطُہٗ.

: ''شئی پوری نہیں ہوتی مگر یہ کہ اس کی شروط پوری ہوں۔''

تشریح

یہ قاعدہ بھی ان قواعد سے ہے جو تحقیق سے معلوم ہیں۔

مثال: ...... جب آدمی نماز حدث (بے وضو) کی حالت میں پڑھتا ہے تو اس کی نماز صحیح نہیں ہے کیونکہ شرط (طہارت) موجود نہیں ہے، اسی طرح نفل مطلق ہیں جب آدمی ممنوع اوقات میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہے۔ مانع پائے جانے کی وجہ سے۔ اور اسی طرح معاملات میں ہے۔ مثلاً جب آدمی خرید وفروخت کرتا ہے اس کی شروط بھی مکمل ہیں لیکن یہ بیع جمعہ کی دوسری اذان کے بعد ہے اور آدمی بھی وہ ہے جس پر جمعہ فرض ہے۔ تو اس کی یہ بیع صحیح نہیں ہے مانع پائے جانے کی وجہ سے، اور اسی طرح نکاح کا مسئلہ ہے اگر کسی آدمی نے کسی عورت سے بغیر ولی کے نکاح کیا تو اس کا نکاح صحیح نہیں ہے نکاح کی شروط پوری نہ ہونے کی وجہ سے۔ اگر اس نے عورت سے نکاح کیا پوری شرائط کے ساتھ لیکن یہ نکاح دوسرے آدمی کی عدت کے دوران ہے تو پھر بھی صحیح نہیں مانع پائے جانے کی وجہ سے۔

مانع کی تعریف:

مانع وہ ہے جس کی موجودگی پر شارع نے حکم کی یا سبب کی عدم موجودگی یعنی اس کے بطلان کو مرتب کیا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (1) حکم کا مانع۔ (2) سبب کا مانع۔

پہلی قسم، حکم کا مانع:

وہ ہے: جس کی موجودگی پر حکم کی عدم موجودگی مرتب ہو۔ اس کی مثال لَا یُقْتَلُ وَالِدٌ بِوَلَدِہٖ [1]

[1] جامع ترمذی: 1400، ابن ماجہ: 2662.

جیسے ولدیت قصاص لینے سے مانع ہے۔ جب باپ اپنے بیٹے کو عمداً قتل کر دے، والد میں شروط قصاص پوری پائے جانے کے باوجود شریعت نے ابوۃ کو قصاص کا مانع بنایا ہے۔

دوسری قسم، سبب کا مانع:

وہ ہے جو سبب پر اس حیثیت سے مؤثر ہو کہ اس سبب کے عمل کو باطل کر دے اور اس کے نتیجہ کے تقاضا کے سامنے دیوار بن جائے۔ کیونکہ مانع میں ایسا مضمون ہوتا ہے جو سبب کی حکمت کے منافی ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسا قرض ہے جو زکوٰۃ کے نصاب میں کمی واقع کر دے۔ نصاب وجوب زکوٰۃ کا سبب ہے۔ کیونکہ نصاب کی ملکیت میں مال داری کا گمان موجود ہے اور مال دار محتاجوں کی مدد پر قادر ہوتا ہے۔ لیکن زکوٰۃ کے سبب میں جس معنی کا لحاظ رکھا گیا (وہ ہے مال داری) قرض کے مخالف ہے اور اسے ختم کر رہا ہے کیونکہ قرض کے بالمقابل جو نصاب کے مالک کا مال ہے وہ دراصل اس کی ملکیت میں نہیں ہے لہٰذا نصاب کی ملکیت میں مال داری کا گمان نہ رہا، لہٰذا نصاب میں وہ مضمون بھی نہ رہا جس کی وجہ سے وہ زکوٰۃ کا سبب بنا تھا اور نتیجہ کے طور پر وہ ایسا سبب نہ رہا جو اپنے مسبب تک پہنچاتا جو کہ وجوب زکوٰۃ ہے۔ [1]

[1] الوجیز، مترجم از اسلم شاھدروی: ص 94-94۔

قاعدہ 25

اَلظَّنُّ مُعْتَبَرٌ فِی الْعِبَادَاتِ.

''ظن معتبر ہے عبادات میں۔''

تشریح

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اس قاعدہ کو یوں نظم کیا ہے۔

وَالظَّنُّ فِی الْعِبَادَةِ الْمُعْتَبَر
وَنَفْسُ الْاَمْرِ فِی الْعُقُودِ اعْتَبَرُوْا.

''اور ظن عبادت میں معتبر ہے اور نفس الامر (حقیقتاً) انہوں نے عقود میں اعتبار کیا ہے۔''

یہ دونوں قاعدے قواعد اصولیہ کے ہیں اور قواعد فقہیہ کے بھی ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مکلّف کے تصرف میں کیا وہ چیز معتبر ہے جو مکلّف کے ظن میں ہے یا وہ چیز معتبر ہے جو نفس الامر (حقیقت) میں ہے؟ عبادات میں معتبر چیز غالباً ظن ہے اور معاملات میں وہ چیز معتبر ہے جو نفس الامر میں ہے۔

مثال 1:......ایک آدمی کا غالب گمان ہے کہ اس نے طواف کے سات چکر لگائے ہیں اور وہ گمان پر ہی بنیاد رکھتا ہے جبکہ اس نے چھ چکر لگائے ہیں اندازاً تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے کیونکہ یہ معاملہ بندے اور اس کے رب عزوجل کے درمیان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں۔

مثال 2:......ایک آدمی نے کسی کو زکوٰۃ دی یہ سمجھ کر کہ یہ زکوٰۃ کا اہل ہے تو یہ کافی ہے اگرچہ بعد میں معلوم ہو جائے کہ یہ شخص زکوٰۃ کا حق دار نہیں تھا۔

عقود:

عقود کے معاملات میں معتبر چیز نفس الامر ہے۔

مثال 1:......ایک آدمی کسی کو کوئی چیز فروخت کرتا ہے یہ سمجھ کر کہ یہ چیز کسی دوسرے آدمی کی ہے پھر بعد میں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز اس کی اپنی ہی ہے تو یہ بیع صحیح ہے کیونکہ اعتبار نفس الامر کا ہے۔

مثال 2:......ایک آدمی زید کی کار فروخت کر دیتا ہے جبکہ وہ آدمی زید کا وارث ہے لیکن اس کو زید کی موت کا علم نہیں ہے پھر بعد میں اس کو معلوم ہو گیا کہ زید مر چکا ہے تو اس کی یہ بیع یعنی کار کا فروخت کرنا درست ہے جو اس کو زید کی طرف سے ورثہ میں ملی ہے کیونکہ معاملات میں اعتبار حقیقت کا ہے۔

ظن کی تعریف:

کسی چیز کی علامات سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کو ظن کہتے ہیں۔ اگر علامات قوی ہوں تو ظَنَّ علم اور یقین کے معنی دیتا ہے اس صورت میں اس لفظ کے بعد اَنَّ یا اَنْ آتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ﴾ (البقرہ: 46/2) اور جب ظَنَّ کا معنی محض وہم اور شک کی حد تک رہے تو اس سے پہلے اِنَّ یا اِنْ آتا ہے اور اس کی دوسری علامت یہ ہے کہ ظن کے مقابلے میں کوئی ایسا لفظ بطور قرینہ موجود ہوتا ہے جو ظن کے معنی کو وہم اور شک میں بدل دیتا ہے۔ مثلاً ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (النجم: 28/53) اس مثال میں اِنَّ اور ظَنَّ کے مقابلے میں حق دونوں باتیں ظن کا معنی وہم اور شک بنا رہی ہیں۔ [1]

شک کی تعریف:

دو نظریات کا ذہن میں مساوی ہونا اور برابر ہونا جبکہ کسی ایک کو ترجیح دینے کے لیے کوئی دلیل نہ ہو۔ [2]

---

[1] مترادفات القرآن ص 741۔ [2] مترادفات القرآن از عبدالرحمن کیلانی ص 611۔

فائدہ:......عبادات میں اگر ظن کا خطاء ہونا ظاہر ہو تو اس کی تلافی اور تدارک ممکن ہے مثلاً آدمی نماز پڑھ رہا ہے اس ظن پر کہ وہ باوضوء ہے پھر اس کو ظاہر ہوا کہ اس نے وضو نہیں کیا تو اب اس پر واجب ہے کہ وضو کرے اور نماز دوبارہ پڑھے، ایسے ہی اگر ایک آدمی کا غالب گمان ہے کہ وہ چوتھی رکعت پڑھ رہا ہے پھر بعد میں اس کو ظاہر ہوا کہ وہ تیسری رکعت پڑھ رہا ہے تو اس پر واجب ہے کہ چوتھی رکعت مکمل ادا کرے بشرطیکہ زمانہ قریب سے اس کو معلوم ہو اگر زمانہ بعید کے بعد معلوم ہوا تو وہ شروع سے دوبارہ نماز پڑھے گا۔

اسی طرح ایک آدمی نے قبل از وقت نماز پڑھی اس کو گمان تھا کہ نماز کا وقت شروع ہو گیا ہے، پھر بعد میں اس کو معلوم ہوا کہ ابھی نماز کا وقت شروع نہیں ہوا تو وہ نماز دوبارہ پڑھے تو پہلی نماز اس کے لیے نفل بن جائے گی۔ [1]

---

[1] القواعد الفقهية لابن عثيمين: ص 43.

قاعدہ 26

اِنَّ الشَّكَّ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْعِبَادَةِ لَا يُؤَثِّرُ.

''عبادت سے فراغت کے بعد شک مؤثر نہیں ہوتا۔''

تشریح

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد شک عبادت میں اثر انداز نہیں ہوتا۔

مثال 1:......مثلاً ایک آدمی نے نماز پڑھ لی پھر فارغ ہونے کے بعد اس کو شک پیدا ہوا کہ آیا اس نے تین رکعت ادا کی ہیں یا چار رکعت تو اس کا یہ شک مؤثر نہیں ہے۔

مثال 2:......اسی طرح طواف مکمل کرنے کے بعد اس کو شک لاحق ہوا کہ کیا اس نے چھ چکر لگائے یا چار چکر لگائے ہیں تو یہ شک مؤثر نہیں ہے۔

فائدہ:...... جب انسان کو زیادہ شکوک لاحق ہوں ہر عبادت میں جو وہ کرتا ہے تو یہ بھی مؤثر نہیں ہیں۔ کیونکہ اس کا ہر عبادت میں جو وہ ادا کرتا ہے شک کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس انسان کو وسواس لاحق ہوتے ہیں تو وسواس شرعاً معاف ہیں اس کا کوئی اثر نہیں۔

یہ ایک عظیم قاعدہ ہے فقہ اسلامی کے قواعد میں سے اس کی جڑیں مختلف مسائل میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور اس قاعدہ کو قاعدہ عقلیہ بھی شمار کیا جاتا ہے اس قاعدہ کو فقہاء نے چند احادیث سے لیا ہے۔ (1) عبادۃ بن تمیم اپنے چاچا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے ایک آدمی نے شکایت کی کہ وہ خیال کرتا ہے کہ نماز کی حالت میں اس کے پیٹ سے کچھ نکلا ہے (ہوا کا خروج) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نماز نہ چھوڑے حتیٰ کہ وہ آواز سن لے یا بدبو محسوس کرے۔ (2) عبداللہ بن زید کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے شکایت کی

کہ وہ نماز میں کوئی شئی محسوس کرتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ نماز سے نہ پھرے حتیٰ کہ وہ آواز سن لے یا بدبو محسوس کرے۔

پہلی حدیث پر امام خطابی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (المعالم: 129/1) میں تعلیق لگائی ہے کہ حدیث سے فقہی قاعدہ سمجھ میں آتا ہے: اِنَّ الشَّكَّ لَا يَزْحَمُ الْيَقِيْنَ کہ شک یقین کو ختم نہیں کرتا۔ اور دوسری حدیث عبداللہ بن زید کی ہے اس پر امام نووی رحمہ اللہ شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حدیث اسلام کے اصول میں سے ایک اصل ہے اور فقہی قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے وہ یہ کہ اشیاء کو ان کے اصل پر باقی رکھنے کا فیصلہ کیا جائے گا حتیٰ کہ یقین ہو جائے کیونکہ شک یقین کے لیے نقصان دہ نہیں ہوتا۔ [1]

فائدہ:...... شک جب وہم کی صورت اختیار کر لے تو وسوسوں کی طرح اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہے اور وہم کا مطلب ہے شک میں مرجوح جانب۔ اگر کوئی شک مرجوح کرتا ہے تو وہ وہم ہے اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ تین امور میں وسواس کا کوئی اثر نہیں۔ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد۔ اور جب وسواس زیادہ ہوں۔ اور جب فقط وہم ہو۔

---

[1] شرح نووی علی صحیح مسلم: 4/49-50.

قاعدہ 27

حَدِيْثُ النَّفْسِ مَعْفُوٌّ عَنْهُ اِلَّا اِذَا حَصَلَ عَمَلٌ اَوْ قَوْلٌ.

"دل اور نفس کی باتیں معاف ہیں مگر جب اس پر عمل یا کلام ہو"

تشریح

حدیث النفس کا مطلب ہے کہ جو باتیں انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں وہ معاف ہیں مگر جب اس پر عمل یا کلام حاصل ہو۔ یعنی اس خیال کے مطابق کوئی عمل کرے یا کلام کرے اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ اَنْفُسُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَتَكَلَّمْ .)) [1]

اگر کسی انسان نے اپنے دل میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کا سوچا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اگر کسی نے اپنے دل میں شراب پینے کا سوچا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور مواخذہ نہیں ہے۔ اگر کسی نے دل میں چوری کرنے کا سوچا لیکن چوری نہیں کی تو اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہے اس کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے۔

---

[1] بخاری کتاب العتق، رقم الحدیث: 2528، مسلم: 127/201.

قاعدہ 28

اَلْاَمْرُ لِلْفَوْرِ.

''امر فور (فوری طور پر عمل) کے لیے آتا ہے۔''

تشریح

جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کسی چیز کا حکم دیں تو اس کی تعمیل فوراً انسان پر واجب ہے۔ یعنی جب وجوب کا سبب پایا جائے اور وہ اس کے کرنے پر قادر بھی ہو تو فوراً اس کا کرنا واجب ہے۔

دلیل: ......اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو حدیبیہ کے سال حکم دیا کہ وہ اپنے سر منڈوا دیں اور احرام کھول دیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تاخیر کی اس حکم کے منسوخ کی امید رکھتے ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ [1]

یہ حدیث دلیل ہے کہ امر مطلق فوراً واجب ہوتا ہے اگر ہم تاخیر کو جائز سمجھیں گے تو مامورات کثیر ہو جائیں گے ان پر عمل کرنے سے انسان عاجز ہو جائے گا۔

کیا امر تاخیر فعل کا متقاضی ہے یا فوری تعمیل کا؟

آیا امر فوری تعمیل کا متقاضی ہے یا تاخیر عمل کا اس مسئلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔ جو لوگ ''امر'' کی صورت میں تکرار فعل کے قائل ہیں ان کے نزدیک امر، فوری تعمیل کا متقاضی ہے۔ اس کے بارے میں دوسرا مسلک یہ ہے کہ ''امر'' یا تو وقت کے ساتھ مقید ہوگا یا مقید نہیں ہوگا۔ اگر ''امر'' وقت کے ساتھ مقید ہو تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اس وقت میں وسعت ہے یا تنگی ہے۔ جس میں وقت کی وسعت ہو تو اس میں اس فعل کو آخری وقت تک

---

[1] بخاری: 2734، ابوداود: 2765، احمد: 18431، 18449.

مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ اگر وقت میں تنگی ہو تو اس میں تاخیر کا احتمال نہیں ہے، اسے فوراً ادا کرنا پڑے گا۔ ❶

لیکن واجبات کی ادائیگی میں جلدی کرنا بہتر ہے کیونکہ تاخیر میں کئی آفات ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان واجب کی ادائیگی سے قبل ہی فوت ہو جاتا ہے کیونکہ موت کے اوقات غیر معلوم ہوتے ہیں، اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس لیے مستحب ہے کہ فوراً عمل کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴾ (المائدة: 48/5)

”تم بھلائیوں کی طرف جلدی کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے وہ تمہیں خبر دے گا تم کو اس کی جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔“

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ (آل عمران: 133/3)

”تم جلدی کرو اپنے رب کی مغفرت کی طرف۔“

”فَاسْتَبِقُوا“ اور ”وَسَارِعُوا“ کے صیغے اس بات پر دال ہیں کہ واجب کی ادائیگی میں جلدی کی جائے یہ مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ جو واجب کو اس کے وقت میں ادا کرے اس کو مُسْتَبِقُ اور مُسَارِعُ نہیں کہتے۔ ❷

---

❶ اسلامی اصول فقه، از خاکوانی: ص 328.

❷ شرح مسلم الثبوت: 288/1.

قاعدہ 29

فَرْضُ عَيْنٍ وَفَرْضُ كِفَايَةٍ.

''فرض عین اور فرض کفایہ۔''

تشریح

جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کسی چیز کا حکم دیں امر کے ساتھ اور اس سے مقصود یہ ہو کہ یہ کام ہر ایک کرے۔ اس کا نام فرض عین ہے اور یہ فرض کفایہ سے افضل ہے۔ اسی طرح سنت عین افضل ہے سنت کفایہ سے۔ کیونکہ اس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو حکم دیا ہے۔ اگر اس سے مقصود فعل ہے نہ کہ فاعل تو وہ کفایہ ہے جب اس کام کے کرنے کی کوئی شخص ذمہ داری اٹھائے تو دوسرے لوگ اس گناہ سے بچ جائیں گے۔ اور فرض عین کی مثالیں۔ مثلاً پانچوں نمازیں، زکوٰۃ دینا اور والدین سے نیکی کرنا۔ اور فرض کفایہ میں سے اذان، اقامت، جہاد فی سبیل اللہ اور طلب علم وغیرہ۔

قاعدہ 30

اِذَا وَرَدَ اَمْرٌ بَعْدَ نَهْيٍ فَاِنَّهٗ لِلْاِبَاحَةِ.

”جب امر واقع ہو نہی کے بعد تو وہ اباحت کے لیے ہے۔“

تشریح

امر جب نہی کے بعد آئے تو اکثر اصولیین کہتے ہیں کہ وہ اباحت کے لیے ہے۔ کیونکہ پہلے حکم پر نہی وارد ہوئی پھر اس کو منسوخ کیا پھر نہی کے بعد امر وارد ہوا تو وہ اباحت کے لیے ہے۔

مثال 1:...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الجمعة: 8/62-9)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف جلدی آؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔“

لہٰذا زمین پر پھیل جانے اور رزق تلاش کرنے کا حکم اباحت کے لیے ہے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ امر رفع نہی کے لیے ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ طلب رزق جس کا آیت میں حکم دیا گیا ہے وہ انسان اور اس کے زیر پرورش لوگوں کی حاجت کو پورا کرنے کے لیے

ہے، لہٰذا یہ امر استحباب کے لیے ہے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ (المائدة: 2/5)

''جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کرو۔''

یہ حکم لَا تُحِلُّوا شَعَآئِرَ اللّٰهِ کے بعد ہے۔ احرام کھولنے کے بعد شکار کا حکم دینا اباحت کے لیے ہے کیونکہ شکار کرنا مباح کی قسم سے ہے۔

قاعدہ 31

وُرُودُ الْعِبَادَةِ عَلٰی وُجُوْهٍ مُتَنَوِّعَةٍ

''عبادت کا مختلف طریقوں پر وارد ہونا۔''

تشریح

جب عبادت مختلف وجوہ پر وارد ہو تو کیا افضل یہ ہے کہ ہم ان میں سے کسی ایک طریقہ کو اختیار کرلیں یا ہر ایک پر عمل کریں جو وارد ہوئے ہیں؟

علماء کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ راجح یہی ہے کہ ہم ایک بار اس پر عمل کریں اور ایک بار اس پر عمل کریں۔ مثلاً نماز میں استفتاح کی دعائیں۔ اذان کے الفاظ۔ نماز کے بعد تسبیح کی انواع۔ اور تشہد کے الفاظ۔ اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔

اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس میں دو فائدے ہیں:

1: سنت پر صحیح طریقہ کے مطابق عمل کرنا۔

2: دونوں پر عمل کر کے شریعت کی حفاظت کرنا۔ جب ہم ایک پر ہی عمل کریں گے تو دوسرا عمل ضائع ہو جائے گا۔

قاعدہ 32

لُزُوْمُ السُّنَّةِ.

''سنت کو لازم پکڑنا۔''

تشریح

یعنی نبی کریم ﷺ کے طریقہ کو لازم پکڑنا اور نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع کرنا انسان پر واجب ہے۔ اس قاعدہ کے ماخذ یہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ ﴾

(الحشر:7/59)

''جو تم کو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کر دیں اس سے رک جاؤ۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (النور:63/24)

''جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا ان کو دردناک عذاب نہ پہنچے۔''

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ وَمَا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا

اسْتَطَعْتُمْ .)) [1]

''میں جس سے تم کو منع کروں تم اس سے اجتناب کرو، اور جس چیز کا حکم دوں تو اس کو کرو جتنی تم طاقت رکھو۔''

کیا خلفاء راشدین کا قول حجت ہے؟

خلفاء اربعہ: سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) ایک قول کے مطابق ان کا قول حجت ہے فعل حجت نہیں ہے کیونکہ وہ معصوم عن الخطاء نہیں ہیں۔ لیکن ظاہر یہی ہے کہ ان کا قول حجت ہے اور ان کا فعل بھی حجت ہے کیونکہ وہ درستگی کے زیادہ قریب ہیں بنسبت دوسروں کے جو ان کے بعد خلفاء ہیں ان کا قول حجت ہے۔ [2]

---

[1] یہ بخاری کی حدیث کا ایک جزء ہے، كتاب الاعتصام، حديث: 7288، مسلم كتاب الحج، باب فرض الحج مرة فى العمر: 73، حديث: 1337/412.

[2] وهو الراجح، قواعد الفقهية، لابن عثيمين: ص 49.

قاعدہ 33

قَوْلُ الصَّحَابِيِّ.

''صحابی کا قول۔''

تشریح

صحابی کا قول قابل حجت ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے دو قول پر۔ (1) صحابی کا قول حجت ہے کیونکہ صحابہ خیر القرون ہیں اللہ تعالیٰ کی شریعت کو زیادہ جاننے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے عہد کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صحابی کا قول حجت نہیں کیونکہ صحابی غیر معصوم ہیں اور کتنے ہی صحابہ کے ایسے اقوال ہیں جو سنت کے خلاف ہیں تو ان میں انھیں معذور جانا جائے گا۔

جب وہ غیر معصوم ہیں تو حجت میں وہ دوسرے لوگوں کی طرح ہیں، کچھ لوگ تفصیل سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صحابہ میں جو فقہاء ہیں فقہ اور فتویٰ میں مشہور ہیں تو ان کا قول حجت ہے کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ ان کا علم بہت وسیع ہے اور درستگی کے زیادہ قریب ہیں جن کو محض شرف صحابیت حاصل ہے فقہ اور علم میں معروف نہیں ہیں تو ان کا قول حجت نہیں ہے۔ اور یہی مفصل قول درست ہے۔

صحابی کا قول قابل حجت ہونے کی شرائط:

(1) صحابی کا قول حجت ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ صحابی کا قول دوسرے صحابی کے قول کے مخالف نہ ہو جو علم وفقہ میں اس کے برابر ہے۔ (2) دوسری شرط یہ ہے کہ صحابی کا قول کتاب اللہ یا سنت رسول کی نص کے خلاف نہ ہو۔ اگر خلاف ہوا تو قول صحابی غیر حجت ہے۔ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں میں تم کو کہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور تم کہو کہ ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) نے کہا۔

قاعدہ 34

اَدِلَّةُ الْأَحْكَامِ أَرْبَعَةٌ.

”ادلہ احکام چار ہیں۔“

تشریح

بندوں کو احکام کا پابند کرنے کے چار دلائل ہیں: (1) قرآن کریم (2) سنت (3) اجماع (4) قیاس صحیح۔

یہ ادلہ تکلیف ہیں جن کے ساتھ بندوں کو پابند کیا جا سکتا ہے ان ادلہ اربعہ کے ذریعے جو حکم ثابت ہو وہ قابل عمل ہے۔

(1) قرآن کریم:

یہ اصل الاصول ہے جس پر قرآن کریم مفہوماً، اشارۃً، منطوقاً، دلالت کرے تو اس کو دلیل جان کر معتبر سمجھنا واجب ہے۔ جن پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے کبھی وہ واجب ہوتا ہے کبھی مندوب کبھی حرام، کبھی مکروہ اور کبھی مباح ہوتا ہے۔ لیکن ان سب کو بطور دلیل معتبر جاننا اہم چیز ہے۔

(2) سنت:

یعنی رسول اللہ ﷺ کی سنت یا تو وہ قولی ہوتی ہے یا فعلی یا تقریری ہوتی ہے۔ ان میں ہر ایک سنت ہے کیونکہ نبی کریم (ﷺ) معصوم ہیں اس سے کہ آپ کسی غلطی پر برقرار رہیں۔

(3) اجماع:

اس امت کے مجتہدین کا اجماع یعنی احکام میں سے کسی حکم پر یا افعال میں سے کسی فعل پر اس امت کے مجتہدین کا اتفاق کر لینا اجماع ہے۔ اس امت کا اجماع حجت ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾

(النسآء: 115/4)

''جو شخص راہ ہدایت کے واضح ہونے کے باوجود بھی رسول اللہ (ﷺ) کی مخالفت کرے اور تمام مومنوں کا راستہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی جگہ بری ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ (النساء: 59/4)

''پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ﴾ (النساء: 59/4)

دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ جب ہم کسی شئی پر اجماع کر لیں وہ قابل حجت ہے۔

(4) قیاس صحیح:

وہ قیاس ہے جس میں قیاس کی شروط مکمل ہوں اور قیاس کے حجت ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِيْزَانَ ؕ ﴾ (الشوریٰ: 17)

''اللہ وہ ذات ہے جس نے کتاب کو حق اور میزان کے ساتھ اتارا۔''

اور میزان کا مطلب وہ چیز جس کے ساتھ اشیاء کو تولا جائے اور اسی طرح وہ امثال جن کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے تو یہ چیزیں قیاس پر ہی قائم ہوتی ہیں کیونکہ قیاس کا مطلب ایک

چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دینا ہے اور قیاس کا ثبوت حدیث میں بھی ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے، اس عورت کے لیے جس نے آپ سے پوچھا تھا، اپنی ماں کی طرف سے نذر کا روزہ رکھنے کے بارے میں تو آپ ﷺ نے کہا تو یہ بتا اگر تیری ماں پر قرضہ ہوتا تو اس کو ادا کرتی کیا اس کی طرف سے کفایت کرتا؟ تو اس عورت نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا قرض قضا کے زیادہ لائق ہے۔ [1]

قرآن مجید کی تعریف:

هُوَ الْكَلَامُ الْمُنَزَّلُ لِلْإِعْجَازِ بِسُوْرَةٍ مِنْهُ .

یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے جو (محمد ﷺ) پر اتارا گیا ہے اور یہ معجزہ ہے اپنی سب سے چھوٹی سورۃ کے ساتھ: اَلْكَلَامُ الْمُنَزَّلُ: سے کلام نفسانی اور کلام بشر خارج ہوگیا: للإعجاز: کے لفظ سے احادیث اور دیگر آسمانی کتب انجیل وغیرہ خارج ہوگئیں۔ اور: بسورة منه: کا مطلب یہ ہے کہ چیلنج کے وقت سب سے چھوٹی سورت کوثر کی طرح پیش کرنے سے عاجز آجانا اور اعجاز سے مراد جو بلاغت کی ایسی حد تک پہنچ جائے جو انسان کی قوت سے خارج ہو۔

سنت کی تعریف:

سنت کا لغوی معنی طریقہ، عادت اور سیرت کے ہیں اصطلاحی معنی آپ ﷺ کا قول یا فعل یا تقریر ہے۔ اس کے تحت دو اقسام آتی ہیں۔

(1) قول صریح:

مثلاً نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ .

(2) جو قول کے معنی میں ہو:

مثلاً صحابی کا کہنا: اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ) بِكَذَا ، اور نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ عَنْ كَذَا ، ان میں قول کا معنی موجود ہے کیونکہ حکم اور ممانعت قول ہی کے ذریعہ ہی ہوتی ہے اور اسی طرح صحابی کا کہنا اُمِرْنَا اور نُهِيْنَا یہ بھی قول کے حکم میں ہے کیونکہ حکم دینے والے اور منع

[1] احمد: 212/1، البانی نے صحیح نسائی میں اس کو صحیح کہا ہے۔ رقم الحدیث: 2632۔

کرنے والے رسول اللہ (ﷺ) ہیں۔

نبی (ﷺ) کے افعال کی اقسام:

افعال نبویہ کی پانچ اقسام ہیں: (1) جو افعال نبی کریم ﷺ سے بطور امتثال صادر ہوں جب کہ آپ کو اس کا حکم دیا گیا ہو۔ ان افعال میں آپ دیگر امتیوں کی طرح ہیں مثلاً نماز قائم کرنا۔ رمضان کے روزے رکھنا بیت اللہ کا حج کرنا۔ (2) جو افعال آپ سے بحکم بشریت صادر ہوں مثلاً کھڑا ہونا، بیٹھنا، سونا، سوار ہونا، سفر کرنا۔ ان کو شریعت نہ سمجھا جائے کیونکہ یہ افعال بلا ارادہ یا بتقاضائے حاجت وضرورت کے صادر ہوتے ہیں۔ (3) جو اعمال آپ سے صادر ہوئے ہیں جن کا مقصود تعبد ہے لیکن ان افعال کا آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی دلیل قائم ہے امت کے لیے نہیں مثلاً وصال کا روزہ۔ چار سے زائد بیویاں کرنا۔

(4) آپ کے ایسے افعال جو ان بیانات کی وضاحت کرتے ہیں جو قرآن مجید میں مجمل طور پر بیان ہوں تو آپ ﷺ کے ایسے بیانیہ افعال امت کے لیے شریعت ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ ﴾

(النحل 16/44)

"یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔"

کے عموم کے تحت مندرج ہیں۔

(5) جو افعال آپ ﷺ نے ابتداء کے طور پر کیے ہوں اس کا گزشتہ اقسام میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں:

(الف) جو نبی کریم ﷺ نے صرف اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کے لیے کیے ہیں۔ مثلاً نفلی نماز، نفلی صدقہ، ان میں قربت کا مفہوم واضح ہے۔ یہ امت کے لیے مستحب ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾ (الاحزاب:21/33)

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔''

(ب) جن افعال میں قربت کا پہلو معلوم نہ ہو وہ عبادت اور عادت میں متردد ہوں، تو امت کے حق میں وہ فعل جائز ہونے پر دلالت کرے گا بایں حیثیت کہ وہ آپ کا فعل ہے اور مباح و مشروع ہے۔ [1]

اجماع کی تعریف:

اس کی تعریف اوپر گزر گئی ہے کہ احکام میں سے کسی حکم پر اور افعال میں سے کسی فعل پر اس امت کے مجتہدین کا اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی تعریفات منقول ہیں مفصل کتب کی طرف رجوع کریں۔

اجماع کی اقسام:

اجماع کی پہلی قسم اجماع صریح، دوسری قسم اجماع سکوتی ہے۔

اجماع صریح کا مطلب یہ ہے کہ مجتہدین اپنی آراء کو صراحت کے ساتھ بیان کریں پھر کسی ایک رائے پر اتفاق کر لیں۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں: (الف) تمام مجتہدین ایک جگہ پر اکٹھے بیٹھ جائیں اور ایک مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا جائے اور ہر ایک اپنی اپنی رائے دے بالآخر وہ کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں۔ (ب) کہ مجتہدین اپنی اپنی جگھوں پر ہوں ایک مسئلہ ان تمام کے پاس باری باری بھیجا جائے، ان سب کی آراء ایک رائے پر موافقت کر لیں۔

(ج) بعض مجتہدین کسی مسئلہ کے متعلق فتویٰ جاری کریں اور وہ فتویٰ دوسرے مجتہدین کے پاس بھی پہنچ جائے۔ اور وہ بھی ان کے ساتھ اپنی موافقت کی وضاحت کر دیں۔

---

[1] قواعد الفقهيه، لابن عثيمين: ص 52، حاشيه: 1.

(د) ایک مجتہد کسی مسئلہ میں کوئی معین حکم لگا دے پھر یہ حکم دوسرے مجتہدین کو پہنچ جائے اور وہ قول، فتویٰ، یا فیصلہ کے لحاظ سے اس کی موافقت کی صراحت کر دیں۔

اور اجماع سکوتی یہ ہے کہ مجتہد کسی مسئلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرے اور اپنی رائے کو لوگوں میں عام کرے اور دیگر مجتہدین تک پہنچ جائے مگر وہ خاموشی اختیار کر لیں، نہ موافقت کریں نہ مخالفت کریں۔ اس کی حجیت میں کثیر مذاہب ہیں۔ [1]

قیاس صحیح کی تعریف:

اہل اصول کی اصطلاح میں قیاس یہ ہے کہ جس چیز کے حکم پر نص وارد نہیں ہوئی اس کو حکم میں اس چیز کے ساتھ ملحق کرنا جس کے حکم پر نص وارد ہے اس لیے کہ اس حکم کی علت میں دونوں مشترک ہیں۔

---

[1] القواعد الفقهيه لابن عثيمين: ص 53، حاشيه 4.

قاعدہ 35

لِكُلِّ عَامِلٍ مَا نَوٰى.

”ہر عمل کرنے والے کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔“

تشریح

عمل مشتمل ہے قول اور فعل کو بلکہ دل کے عمل یعنی ارادہ پر۔ انسان پر حکم لگانے کا مدار اس کی نیت پر ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَانَوٰى . .)) [1]

”اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر آدمی کے لیے وہ کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔“

اسی لیے علماء نے بہت زیادہ اشیاء کو حتیٰ کہ معاملات کو بھی نیت کے ساتھ مقترن کیا ہے۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اس قاعدہ کو یوں نظم کیا ہے:

وَاحْكُمْ لِكُلِّ عَامِلٍ بِنِيَّتِهٖ

وَاسْدُدْ عَلَى الْمُحْتَالِ بَابَ حِيْلَتِهٖ

”اور تو حکم لگا ہر عامل کے لیے اس کی نیت کے ساتھ۔ اور تو بند کر دے حیلہ کرنے والے پر اس کے حیلہ کا دروازہ۔“

ابن عثیمین (رحمہ اللہ) کا قول: (وَاسْدُدْ عَلَى الْمُحْتَالِ بَابَ حِيْلَتِهٖ) کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کام کو اس کے کرنے پر حیلہ سازی کرے تو اس پر حیلہ کے دروازے کو بند کر دو۔ حیلہ کا مطلب ہے کہ واجب کو ساقط کرنے اور حرام کا ارتکاب کرنے کی طرف خفیہ طریقوں کے ساتھ کوئی ذریعہ اختیار کرنا، جس کا ظاہر اباحت ہے اور اس کی حقیقت تحریم ہے۔

[1] بخاري: 6689، مسلم: 1907 .

اسقاط واجب کے حیلہ کی مثال:

کہ آدمی رمضان میں سفر کرے روزہ افطار کرنے کی غرض سے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ تیرا یہ سفر حرام ہے اور حیلہ تم کو کچھ فائدہ نہ دے گا یہ مثال اللہ تعالیٰ کے حق کے متعلق ہے۔

مخلوق کے حق واجب کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ کی مثال:

مثلاً مشتری کا جلدی کرنا ایسے شخص کی وجہ سے جس کو حق شفعہ حاصل ہے مشتری اس چیز کو وقف کر دیتا ہے تا کہ وہ حیلہ بنائے شریک کے حق شفعہ کو ساقط کرنے کے لیے۔ تو ہم کہیں گے کہ مشتری کا اس چیز کو وقف کرنا درست نہیں ہے اور حق شفعہ ابھی باقی ہے۔ کیونکہ تیرا یہ عمل اپنے بھائی کے واجب حق کو ساقط کرنے کے لیے ایک حیلہ بازی ہے جبکہ حیلہ غیر نافع ہے۔

فعل حرام پر حیلہ:

یہ سود کے اکثر مسائل میں پایا جاتا ہے تم بعض لوگ کو دیکھتے ہو کہ وہ صریح سود کو نہیں آتے۔ لیکن حیلہ سازی کر کے سود کھاتے ہیں۔ مثلاً بیع عینہ ہے۔ بیع عینہ: یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز مقررہ قیمت پر معین وقت تک کے لیے فروخت کر لے جب یہ معین میعاد پوری ہو جائے تو خریدار سے وہی چیز کم قیمت پر خرید لے تا کہ زائد رقم اس کے ذمہ باقی رہے۔ مثلاً ایک آدمی اپنا سامان معین میعاد تک کے لیے ایک سو روپے میں فروخت کرتا ہے پھر معین میعاد پوری ہونے کے بعد 80 روپے میں نقد خرید لیتا ہے گویا کہ اس نے سو کے عوض اسّی روپے دیئے لیکن وہ اس پر حیلہ سازی کرتا ہے اس پر عقد صوری کے ساتھ (یعنی یہ ایک صورۃً عقد ہے)۔

جواب:...... ہم اس کو کہیں گے کہ اب تم نے سود کا گناہ پا لیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ تم نے حرام کے ارتکاب پر حیلہ سازی کی ہے۔

مطلقہ ثلاثہ کی حلت کے لیے حیلہ سازی کی مثال:

تین طلاق والی عورت کو حلال کرنے کے لیے حیلہ کرنا کہ اس عورت سے ایک ایسا آدمی نکاح کرے جسے اس عورت کی طرف کوئی رغبت نہیں ہے۔ لیکن وہ اس سے نکاح اس ارادہ سے کرتا ہے کہ وہ اس کو پہلے خاوند کے لیے حلال کرے تو ایسی حالت میں عورت پہلے خاوند کے

لیے حلال نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ ایک فریب اور دھوکہ ہے اور حرام شئ پر حیلہ کرنا مفید نہیں ہوتا۔

حیلہ کی تعریف:

1: حیلہ اسم ہے احتیال سے اس کا معنی یہ ہے کہ آدمی کا اپنی مکروہ چیز کو ایسی چیز کی طرف حیلہ سازی کر کے پھیرنا جو اس کو پسند ہے۔ [1]

2: جواز کے ظاہر کا عمل مقدم رکھنا حکم شرعی کے ابطال کے لیے اور اس کو ظاہر میں دوسرے حکم کی طرف پھیرنا۔ [2]

مثال: ......ایک آدمی سال کے ختم ہونے پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے فرار اختیار کرنے کے لیے اپنا مال ہبہ کر دیتا ہے کیونکہ ہبہ اصل میں جائز ہے۔ اگر مال ہبہ کیے بغیر زکوٰۃ ادا نہ کرے گا تو یہ ممنوع ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں (زکوٰۃ اور ہبہ) میں سے ہر ایک کے معاملہ میں ظاہراً مصلحت ہے یا مفسدت ہے۔ جب یہ دونوں اس مقصد پر جمع ہو جائیں گی تو پھر زکوٰۃ کی ادائیگی میں ہبہ مال کا مانع ہونا بھی ایک مفسدۃ ہے اور یہ احکام شرعیہ کے ابطال کے مقصد کے لیے ہے۔

حیلہ کی اقسام:

قسم اول: ......جس کے بطلان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مثلاً منافقین اور ریاء کاروں کا حیلہ۔

مثال: ......منافقین کا مسجد ضرار بنانا جس کا قرآن کریم نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح لوگوں کا مال باطل طریقے سے لینا اور غیر شرعی کو شرعی لبادہ پہنا کر پیش کرنا۔

مثال: ......اس کی مثال نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ .)) [3]

---

[1] التعريفات: ص 127. [2] الموافقات: 201/4.

[3] بخاري: 1454، ابن ماجه: 1800، ابوداود: 1567.

''زکوۃ کے ڈر سے نہ تو متفرق جانوروں کو اکٹھا کیا جائے اور نہ اکٹھے جانوروں کو جدا جدا کیا جائے۔''

اکٹھے جانوروں کو الگ کرنے کی صورت:

یہ ہے کہ دو آدمی اکٹھے ہیں۔ دو سو دو (202) بکریاں ان کی ملکیت میں ہیں اس طرح دونوں پر تین بکریاں زکوۃ میں دینا لازم ہے مگر جب زکوۃ وصول کرنے والا ان کے پاس جاتا ہے تو دونوں اپنی اپنی بکریاں الگ کر لیتے ہیں یعنی اب ہر ایک کے پاس ایک سو ایک (101) بکریاں ہیں اس طرح ان میں سے ہر ایک پر صرف ایک ہی بکری ادا کرنا ہوگی۔

الگ الگ کو اکٹھا کرنے کی صورت:

یہ ہے کہ تین آدمیوں میں سے ہر ایک کی چالیس، چالیس، بکریاں ہیں۔ الگ الگ کی صورت میں ہر ایک کو ایک ایک بکری زکوۃ میں دینا واجب آتی ہے اس طرح تین بکریاں دینا پڑیں گے جب زکوۃ وصول کرنے والا آتا ہے تو یہ تینوں اپنی اپنی بکریاں جمع کر لیتے ہیں اور تعداد (120) بن جانے کی وجہ سے تینوں پر صرف ایک بکری بطور زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

یہ حیلے اور اس طرح کے اور حیلے، کسی بھی مسلمان کو شک نہیں کہ حرام اور محرمات میں سب سے قبیح ہیں یہ دین کے ساتھ کھیل تماشا اور مذاق ہے۔ [1]

قسم ثانی: ......جس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں مثلاً جبر کی حالت میں زبان سے کفر کا کلمہ ادا کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ (النحل:106/16)

تیسری قسم: ......وہ چیز جس کی شارع کے مقصد کے ساتھ موافقت یا مخالفت کی دلیل قطعی سے ظاہر نہ ہو، اور یہ محل اختلاف ہے علماء کے درمیان۔ [2]

---

[1] اعلام الموقعين: 291/3.

[2] قواعد الفقهية، لابن عثيمين: ص 55 تا 56، حاشيه: 3.

قاعدہ 36

يَحْرُمُ الْمُضِيُّ فِيمَا فَسَدَ.

''حرام ہے جاری رہنا اس میں جو فاسد ہو جائے۔''

تشریح

قاعدہ یہ ہے کہ جب عبادت فاسد ہو جائے تو اس میں جاری رہنا حرام ہے، بلکہ عبادت کو قطع کر دینا اور اس سے الگ ہو جانا واجب ہے کیونکہ عبادت کے فاسد ہونے کے باوجود اس کو جاری رکھنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنا ہے۔

مثال: ......ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے دورانِ نماز اس کا وضوء ٹوٹ گیا تو اب نماز کو جاری رکھنا اس پر حرام ہے بلکہ نماز سے فارغ ہو جانا ہی واجب ہے۔ اگر نماز کو برقرار رکھے گا تو گناہ گار ہوگا۔ سوائے حج اور عمرہ کے ان کے فاسد ہو جانے کے باوجود ان کو جاری رکھنا واجب ہے۔

تحلل اول سے پہلے جماع کر لینے سے حج فاسد ہو جاتا ہے، اور عمرہ بھی جماع کر لینے سے فاسد ہو جاتا ہے جب یہ دونوں فاسد ہو جائیں تو اس کے باوجود ان کو جاری رکھنا واجب ہے پھر آئندہ سال حج کی قضا دے گا۔ اگر ایک آدمی نے حج میں عید کی رات جماع کر لیا تو اس کا حج فاسد ہو گیا تو اس پر حج کو پورا کرنا واجب ہے پھر اگلے سال قضاء کے طور پر حج کرے گا۔ اگر کسی نے عمرہ میں طواف کے بعد اور سعی کرنے سے پہلے بیوی سے جماع کر لیا تو وہ عمرہ کو جاری رکھے گا پھر اس کی قضا دے گا کیونکہ وطی سے اس کا عمرہ فاسد ہو گیا ہے۔

فاسد اور بطلان کی تعریف:

اسنوی کہتے ہیں کہ بطلان اور فساد مترادف ہیں مثلاً بَطَلَتِ الصَّلٰوةُ وَفَسَدَتْ.

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں جدا جدا ہیں ان کے نزدیک باطل وہ ہے جو بالکلیہ مشروع نہ

ہو مثلاً بیع مافی بطون الامہات یعنی حمل کی بیع۔

اور فاسد وہ ہے جس کی اصل مشروع ہو لیکن کسی وصف پر مشتمل ہونے کی صورت میں ممنوع ہو مثلاً: سود: یہ بیع کی حیثیت سے مشروع ہے اور اضافہ پر مشتمل ہونے کی حیثیت سے ممنوع ہے اگر اضافہ کو چھوڑ دیا جائے تو بیع صحیح ہے۔ [1]

قضاء، اداء، اعادہ، کی تعریف:

عبادت کو اس کے شرعی مقررہ وقت کے اندر اندر ادا کر لیا جائے تو اس فعل کو ''ادا'' کہا جاتا ہے۔ اگر اسے وقت مقررہ کے اندر اندر ادا کرنے کے بعد نقص یا کسی اور وجہ سے دوبارہ ادا کیا جائے تو اس فعل کو ''اعادہ'' کہا جاتا ہے۔ اور اگر اسے مقررہ وقت گزر جانے کے بعد ادا کیا جائے تو اس فعل کو ''قضاء'' کہتے ہیں۔ لیکن کسی فعل کو ''قضاء'' اسی صورت میں کہا جائے گا جب شریعت سے اس کی دلیل ملتی ہو۔ مثلاً حیض سے فارغ ہونے کے بعد عورت کا متروکہ روزوں کی قضاء کرنا۔ اس کی اگر شریعت میں دلیل نہ ہو تو اس کو اپنی طرف سے قضاء کا نام نہیں دیا جائے گا۔

مثلاً کسی آدمی نے بغیر عذر کے فرض نمازیں ترک کر دیں ایسے آدمی کی قضاء کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس کی صحیح یا غیر صحیح دلیل شریعت سے نہیں ملتی۔ ایسا شخص گناہ گار ہوگا اور وہ ہزار نمازیں بھی پڑھ لے۔ اپنی ایک قصداً ترک کی ہوئی نماز کی قضاء نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے۔ اور آئندہ نماز کی پابندی کرے۔ اور اسی طرح جو سوتا رہ گیا یا بھول گیا اور نماز کا مقررہ وقت گزر گیا تو اس کو اجازت ہے کہ جونہی یاد آئے تو پڑھ لے اس کی نماز کو بھی قضاء نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ ادا کہا جائے گا کیونکہ اس کے لحاظ سے اس کا یہی وقت تھا۔ [2]

---

[1] قواعد الفقهيه: ص 58، حاشیہ 1، مزید دیکھئے: اصول فقہ پر ایک نظر، از عاصم حداد: ص 40۔

[2] صحيح مسلم، باب قضاء الصلوة الفائتة الخ، رقم: 684.

قاعدہ 37

جَوَازُ قَطْعِ النَّفْلِ بَعْدَ الشُّرُوْعِ فِيْهِ.

''نفل کو قطع کرنا جائز ہے اس کو شروع کرنے کے بعد۔''

تشریح

ایک آدمی جب نفل شروع کر دے تو اس کو چھوڑنا جائز ہے کیونکہ نفل کا شروع کرنا واجب نہیں۔ اس کی دلیل یہ نبی کریم ﷺ ایک دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ ہم نے کہا نہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: تب میں روزہ دار ہوں۔ پھر آپ ﷺ ایک دوسرے دن ہمارے پاس آئے تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں حلوہ بطور ہدیہ دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے کہا مجھے بھی حلوہ دکھاؤ۔ میں نے روزے کی حالت میں صبح کی ہے پھر آپ ﷺ نے (حلوہ) کھا لیا۔ [1]

یہ نفل کو توڑنا ہے۔ ایسے ہی فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ روزہ وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کرنا روزہ کے مفطرات سے رک جانے کے ساتھ فجر سے لے کر غروب آفتاب تک۔ باوجود اس بات کے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان: (اصبحت صائمًا) احتمال رکھتا ہے اس بات کا کہ آپ رکنے والے تھے کھانے اور پینے سے کیونکہ روزہ لغت میں رکنے کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن اس بات کی تردید یوں کی جاتی ہے کہ الفاظ جب شرع میں مطلقاً بولے جاتے ہیں تو ان کو شرعی معنی پر ہی محمول کیا جاتا ہے۔

لیکن نفل کے جواز کے قول کے ساتھ اس کو توڑنا مکروہ ہے۔ مگر غرض صحیح کے لیے۔ مثلاً

[1] مسلم: 1154، ابوداود: 2455، ترمذی: 733-734، ابن ماجہ: 1701، نسائی: 193/4.

مفضول سے افضل کی طرف منتقل ہونا، وغیرہ۔ علامہ ابن عثیمین (رحمہ اللہ) نے حج اور عمرہ کو مستثنیٰ کیا ہے کہ ان کو کاٹنا اور توڑنا جائز نہیں ہے اگرچہ دونوں نفلی ہوں دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ﴾ (البقرة:196/2) اور یہ حج کی فرضیت سے قبل تھا۔

نفل کی تعریف:

اس کا لغوی معنی زیادۃ ہے اسی لیے غنیمت کو نفل کہا جاتا ہے کیونکہ غنیمت جہاد کے شرعی مقصود پر زائد ہوتا ہے اور شرعی مقصود اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنا ہے اور اصطلاحی معنی جو اشیاء فرائض اور واجبات سے زائد ہوتے ہیں جن کو مندوب اور مستحب وغیرہ کہا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] قواعد الفقهيه لابن عثیمین: ص 59، حاشیه: 1.

قاعدہ 38

اَلْاِثْمُ وَالضَّمَانُ يَسْقُطَانِ بِالْجَهْلِ.

"گناہ اور ضمان (ذمہ داری) دونوں جہالت کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں۔"

تشریح

یعنی معصیت کا گناہ اور تلف کرنے والے کا ضمان دونوں جہالت اور اکراہ اور نسیان کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں۔

جہالت:

علم کا نہ ہونا خواہ حکم کی جہالت ہو یا حالت کی جہالت ہو۔

جہل بالحکم کی مثال:

جب آدمی گمان کرے کہ یہ شئی روزہ نہیں توڑتی۔ مثلاً آدمی کے معدہ میں کوئی شئی جوش مارے اور آدمی قئے کرنا چاہے تو اس نے قئے کر لی۔ پھر اس کو بتایا گیا کہ قئے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ تو ہم کہیں گے کہ آپ کا روزہ صحیح ہے۔

جہل بالحال:

مثلاً دن کے آخر میں آسمان ابر آلود ہو گیا تو روزہ دار نے غروب آفتاب سمجھ کر روزہ افطار کر لیا۔ پھر سورج طلوع ہو گیا، تو اس کا روزہ صحیح ہے کیونکہ وہ وقت اور حالت سے جاہل تھا۔

اکراہ:

کسی شئی کے کرنے پر مجبور ہونا بغیر کسی اختیار کے یعنی کسی غیر کا کسی دوسرے کو ڈرا دھمکا کر ایسے کام کا حکم دینا جس کو وہ نہ کرنا چاہتا ہو اور وہ عدم عمل کی صورت میں غیر سے خائف ہو۔

نسیان:

دل کا کسی معلوم شئی سے غافل ہونا۔

مثال: ......اگر کسی محرم انسان نے جانور کا شکار کیا عمداً تو اس بناء پر وہ گناہ گار ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ﴾ (المائدة:95/5)

''اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار کو مت قتل کرو۔''

لیکن اس پر تاوان ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ (المائدة:95/5)

''اس پر فدیہ واجب ہوگا جو کہ مساوی ہوگا اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے۔''

اگر محرم نے جانور کو جہالت میں یا جبر میں یا نسیان میں قتل کیا تو اس صورت میں وہ گناہ گار نہیں ہے اور نہ ہی کفارہ ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ﴾ (البقرة:286/2)

''اے ہمارے رب! تو ہم کو نہ پکڑ اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں۔''

تو اللہ تعالیٰ نے کہا: قَدْ فَعَلْتُ: یعنی میں نے ایسا ہی کر دیا۔ اور دوسری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ﴾

(الاحزاب:5/33)

''تم سے بھول چوک میں جو ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے جو تم ارادہ دل سے کرو۔''

اور حدیث میں ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا

عَلَيْهِ .)) ❶

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور نسیان اور جس پر وہ مجبور کیے جائیں معاف کر دیا ہے۔''

مخلوق کے حقوق کا ضمان اور تاوان جہالت اور نسیان اور اکراہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوگا۔ اگر کسی نے کسی دوسرے کا مال ضائع کر دیا اپنا مال سمجھ کر۔ تو یہ جاہل ہے۔ لہٰذا اس پر تاوان ہوگا اور گناہ گار نہیں ہوگا جہل کی وجہ سے، اسی طرح اگر بھول کر کسی کا مال تلف کر دیا تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا ہاں تاوان بھرے گا، اسی طرح اگر کوئی کسی کا مال تلف کرنے پر مجبور کیا جائے تو وہ تلف کر دے تو اس پر گناہ نہیں ہوگا البتہ تاوان بھرے گا۔

❶ بخاري مع الفتح الباري: 390/9 ط: دار الفكر.

قاعدہ 39

كُلُّ مُتْلَفٍ فَإِنَّهُ مَضْمُونٌ عَلَى مُتْلِفِهِ.

"ہر تلف شدہ شئ تو اس کا تاوان ضائع کرنے والے کے ذمہ ہے۔"

تشریح

ہر تلف شدہ شئ یعنی ضائع کی گئی شئ کا تاوان ضائعہ کرنے والے کے ذمہ ہے خواہ یہ اللہ تعالیٰ کے حق کے متعلق ہو یا بندوں کے حق کے متعلق ہو، اگر محرم شکار کا محتاج ہوا اس نے شکار کرلیا تا کہ اس کو کھائے اور اپنی ضرورت پوری کرے تو وہ فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ کے تحت ضمان ادا کرے گا۔ لیکن وہ گناہ گار نہیں کیونکہ وہ مجبور اور مضطر تھا۔ پھر اس قاعدہ سے وہ چیز مستثنیٰ ہوگی جو دفع اذی کے لیے نہ ہو اگر دفع اذی کے لیے ہو تو اس کا ضمان نہیں ہوگا، مثلاً اگر حملہ کرنے والا ایک شخص پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس سے دفاع کرنے کا چارا کار سوائے قتل کے اور کوئی نہیں ہے تو وہ آدمی حملہ آور کو قتل کر دیتا ہے تو اس آدمی پر کچھ بھی عائد نہیں ہوگا۔

اگر کوئی آدمی آپ پر ہی حملہ کر دے اور آپ ہرگز اس کا دفاع نہیں کر سکتے سوائے قتل کے تو آپ اس کو قتل کر دو تو تم پر کوئی شئ نہیں لازم ہوگی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((فِيمَنْ صَالَ عَلَيْهِ أَوْ عَلَى مَالِهِ آدَمِيٌّ قَالَ: قَاتِلْهُ قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلْتُهُ قَالَ هُوَ فِي النَّارِ قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَتَلَنِي؟ قَالَ: فَأَنْتَ شَهِيدٌ.)) [1]

"آپ ﷺ نے کہا اس شخص کے بارے میں جو کسی پر یا اس کے مال پر حملہ کر

[1] مسلم: 225، 140 في الايمان.

دے تو آپ ﷺ نے کہا: تو اس سے لڑو اس نے پوچھا: اگر میں اس کو قتل کر دوں؟ تو فرمایا: وہ جہنمی ہوگا۔ اس نے پوچھا اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ تو فرمایا: تم شہید ہوگے۔"

اگر کسی آدمی پر بجو حملہ کر دے اس کو کھانے کے لیے تو بندہ سوائے قتل کے دفاع نہ کر سکتا ہو تو وہ بجو کو مار ڈالے تو اس پر جزاء اور بدلہ نہیں ہے لیکن ایسی حالت میں اس کو کھانا حلال نہیں ہے۔

حملہ آور کا حکم:

البتہ علماء نے اس مسئلہ میں ضابطہ بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی حملہ آور سے دفاع کے لیے آسان سے آسان طریقہ اپنائے یہ نہ ہو کہ ادھر اس نے حملہ کیا اور اُدھر اس نے گولی مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ پہلے دھمکی دینے سے کام چلائے ورنہ وہ حملہ آور کو پکڑ کر باندھ دے اگر باندھنا ممکن ہو۔ اسے مارے نہ۔ اس سے بھی کام نہ چلے تو اس کو مارے۔ اگر حملہ آور جان لینے پر تل جائے اور اس کو مارنے کے سوا اور کوئی صورت نظر نہ آئے تو اس صورت میں حملہ آور کا قتل مباح ہے۔ اس تدریجی دفاع سے ایک صورت مستثنیٰ ہے کہ وہ آدمی کو ڈر ہو کہ مجھے فوراً قتل کر دے گا تو وہ بھی اس کو بلا تاخیر قتل کر سکتا ہے۔ مثلاً چور گھر میں گھستے ہی اسلحہ تان لے اور ظن غالب ہو کہ یہ ابھی گولی چلا دے گا تو بلاشبہ اس کو بلا تاخیر مار ڈالے۔

قاعدہ 40

اَلضَّمَانُ بِالْمِثْلِ.

''ضمان مثل کے ساتھ ہے۔''

تشریح

پیچھے بیان ہوا تھا کہ ضائع کی گئی چیز ضائع کرنے والے کے ذمہ ہے اب اس قاعدہ میں بتایا گیا ہے کہ جب کوئی چیز تلف کر دی جائے تو اس کا ضمان اس چیز کی مثل کے ساتھ ہوگا۔ اگر کوئی برتن توڑ دیا جائے تو اس کا تاوان اسی برتن کی مثل کے ساتھ ادا کیا جائے گا۔ جب کوئی قلم تلف کیا جائے تو اسی طرح کا قلم ضمان میں دیا جائے گا۔ اگر تلف شدہ چیز کی مثل کوئی نہ ملے تو اس صورت میں قیمت ادا کی جائے گی جو قیمت اتلاف کے وقت تھی۔ مثلاً پکا ہوا کھانا جس میں گوشت اور کدو تھا۔ اور دیگر اشیاء بھی تھیں اور اب ممکن نہیں کہ اس کا کوئی مثیل ہو تو اتلاف کے وقت اس کی جو قیمت تھی ضمان میں وہی ادا کی جائے گی۔ کیونکہ جب اصل متعذر ہو تو رجوع اس کے بدل کی طرف ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شئی کا ادا کرنا اصل قرار دیا گیا ہو جب اس کے فوت ہونے پر ادائیگی ممکن نہ رہے تو اس کے بدل کی طرف رجوع کیا جائے گا، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اصل میں جس چیز کی ادائیگی لازم ہوتی ہے وہ ادا نہیں کی جا سکتی تو اگر کچھ بھی ادا نہ کیا جائے تو ضرر رسیدہ فریق کے ساتھ انصاف نہ ہو سکے گا اس لیے لازم ہے کہ اصل کا کوئی بدل ادا کیا جائے۔

قاعدہ 41

مَا تَرَتَّبَ عَلَى الْمَاذُوْنِ فَلَيْسَ بِمَضْمُوْن.

"جو چیز ماذون پر مترتب ہو اس کا ضمان اور تاوان نہیں ہے۔"

تشریح

تلف شدہ چیز ان اشیاء میں سے ہے جن کی اجازت دی گئی ہے یعنی ماذون ہے تو اس کا ضمان نہیں ہوگا اور غیر ماذون چیز میں تاوان واجب ہوگا۔

یعنی جس فعل کی شریعت میں اجازت ہو تو اس فعل کے کرنے سے کسی کو ضرر لاحق ہو تو ایسے فعل کے کرنے پر تاوان نہ ڈالا جائے گا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک فعل شرعاً جائز ہے اور پھر اس کے کرنے والے پر تاوان بھی عائد کر دیا جائے ان دونوں امر میں منافات ہے جو امر انسان کے لیے شرعاً جائز نہ ہو اس کے ارتکاب سے انسان پر تاوان عائد ہوگا۔

مثال: ......اگر ایک آدمی نے کسی شخص پر زیادتی کی اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر زخم پیچیدگی اختیار کر گیا وہ آدمی مر گیا تو مجرم کو قتل کیا جائے گا جب قصاص کی شروط پوری ہو جائیں گی تو اس کے برعکس اگر کسی نے دوسرے پر زیادتی کی اس کا ہاتھ کاٹ دیا تو قصاصاً مجرم کا ہاتھ بھی ہم نے کاٹ دیا پھر زخم بڑھ گیا حتیٰ کہ مجرم مر گیا تو اس میں تاوان نہیں ہوگا کیونکہ یہ کام فعل ماذون (قصاص) پر مترتب ہوا ہے۔

قاعدہ 42

مَا عَلَى الْمُحْسِنِ مِنْ سَبِيْلٍ.

''احسان کرنے والے پر کوئی الزام کی راہ نہیں ہے۔''

تشریح

یہ قاعدہ ہے مَا عَلَى الْمُحْسِنِ مِنْ سَبِيْلٍ.

یعنی اس پر ملامت کا کوئی راستہ اختیار نہیں کیا جائے گا۔ یا اس پر تاوان نہیں ڈالا جائے گا کیونکہ وہ تو محسن ہے۔

مثال: ...... ایک آدمی نے کسی کے پاس ودیعۃ (امانت جو کسی کے پاس بغرض حفاظت خود رکھوائے) رکھی تا کہ محفوظ رہے پھر ودیعۃ (امانت) ضائع ہوگئی بغیر کسی تعدی اور زیادتی کے اور بغیر کوتاہی کے تو مودع (جس کے پاس امانت رکھی جائے) پر کوئی تاوان نہیں ہے کیونکہ وہ محسن ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ﴾ (التوبة: 9/91)

''ایسے نیک کاروں پر الزام کا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

اور اس کے برعکس ظالم اور تعدی کرنے والا اس کا ضامن ہوگا یعنی تاوان ادا کرے گا۔

مثال: ...... غاصب جب کسی آدمی سے کوئی چیز غصب کرے پھر وہ شئی تلف ہو جائے یا اس میں نقص آجائے، تو غاصب اس کا ضامن ہوگا کیونکہ وہ ظالم ہے اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: لَيْسَ لِعِرْقِ ظَالِمٍ حَقٌّ [1] ظالم کے پسینے (محنت) کا کوئی حق نہیں ہے۔

---

[1] ابوداود فی الخراج حدیث: ز 3037 البانی نے صحیح کہا ہے ترمذی: 1378، بیهقی فی الکبری: 6/99، مسند شافعی: 244.

پوری حدیث اس طرح ہے کہ سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک آدمی نے بیان کیا دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک زمین کا جھگڑا لے کر آئے، ان میں سے ایک نے اس میں کھجور کے درخت لگا دیئے تھے جبکہ زمین دوسرے کی تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا زمین مالک کی ہے اور کھجور کے درخت لگانے والا اپنے درخت اکھاڑے اور فرمایا ظالم کی محنت کا کوئی حق نہیں۔ [1]

---

[1] ابو داود: 3074، دارقطنی: 35/3 شیخ عبداللہ بسام نے اس کو صحیح اور شیخ حازم علی قاضی نے اسے حسن کہا ہے۔

قاعدہ 43

اَلْعُقُوْدُ تَنْقَسِمُ قِسْمَانِ

''عقود کی دو اقسام ہیں''

تشریح

عقود کی دو قسمیں ہیں: (1) عقود معاوضہ، مثلاً بیع اجارہ، (زمین کو ٹھیکہ پر دینا) تو اس میں تحریر کرنا اور اس کا معلوم ہونا اور معروف شرائط کا پورا پایا جانا واجب ہے کیونکہ جانبین میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اس کا حق قائم رہے، جب ایسی بیع جہالت اور لاعلمی پر ہوگی تو یہ لڑائی جھگڑے کا سبب ہوگا تو یہ عقد دھوکے کا ہوگا بلکہ اس میں معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع کیا ہے۔ [1]

(2) عقود تبرع: تبرع کا مطلب ہے کہ اپنی چیز کا بلا معاوضہ کسی کو مالک بنا دینا ہے مثلاً ہبات اور صدقات وغیرہ اس کا معاملہ خفیف ہے اس بناء پر اگر تم کسی شخص کو مجہول شئی ہبہ کرو تو کوئی حرج نہیں ہے اگر وہ چیز ارادہ کے مطابق مل جائے تو بہتر ہے کیونکہ یہ ہی مطلوب ہے اگر وہ چیز نہ ملے تو کوئی ضرر نہیں ہے اسی طرح رہن (گروی رکھنا) کا معاملہ خفیف ترین ہے لہٰذا ایسی چیز کا گروی رکھنا صحیح ہے۔ جس چیز کی بیع جائز نہیں ہے مثلاً پھل پکنے سے پہلے...... الخ کیونکہ اگر مان لیا جائے کہ مطلوب حاصل نہیں ہوا۔ تو حق پھر بھی باقی رہے گا۔ عقود تبرعات اگر حاصل ہو جائیں تو غنیمت ہے، اگر حاصل نہ ہوں تو اس میں تاوان نہیں ہے اسی لیے اس میں مجہول شئی کی اجازت دی گئی ہے۔ (مثلاً) اگر کوئی آدمی کسی کو اپنا بھاگا ہوا غلام ہبہ کر دے تو یہ ہبہ درست ہے۔ کیونکہ اگر بھاگا ہوا غلام مل جائے تو غنیمت ہے یعنی اس کا فائدہ ہے اگر نہ ملے تو واہب کے ذمہ کوئی تاوان نہیں ہے، اسی طرح بقیہ تبرعات ہیں، اسی طرح گروی چیز اگر حاصل ہو جائے تو بہتر ہے اگر نہ ملے تو کوئی نقصان نہیں ہے حق باقی ہے۔

[1] مسلم: 1513، ابوداود: 3376، ترمذی: 1230.

قاعدہ 44

اَلْعُرْفُ
"عرف"

تشریح

یہ قاعدہ اہم قواعد میں سے ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو چیز کتاب وسنت میں مطلقاً بغیر تحدید کے آئی ہو تو اس میں رجوع عرف کی طرف ہوگا۔ مثلاً :اَلْحِرْزُ: ہر وہ جگہ جس میں اموال کی حفاظت ہو سکے، کیونکہ اس کے متعلق شرع نے کوئی تحدید نہیں کی اس میں عرف کو دیکھا جائے گا۔ اسی طرح نفقات میں بھی عرف کے اعتبار سے تعین ہوگا۔ اور اسی سے وہ چیز ہے جس کو شرع نے مطلقاً بیان کیا ہے الفاظ عقود کی حد بندی نہیں ہے، مثلاً بیع اجارہ، رہن، وقف مطلق طور پر حتیٰ کہ نکاح بھی اس کے لیے کوئی معین لفظ نہیں ہے بلکہ وہ لفظ جو مقصود پر دلالت کرے، اس سے عقود منعقد ہو جائے گا۔ یعنی الفاظ عقود میں بھی عرف کو ہی دیکھا جائے گا۔

عرف کی تعریف:

جو امور طبائع سلیمہ سے بار بار معقول طور پر صادر ہوتے رہیں حتیٰ کہ انسانی نفوس میں قرار پکڑ لیں اس کی دو اقسام ہیں:

(1) عرف صحیح:

وہ عادت قرآن وسنت کی نصوص کے مخالف نہ ہو اور نہ معتبر مصلحت کو ضائع کرے اور نہ راجح خرابی کو لے کر آئے۔

مثال:...... مثلاً لوگوں کا آپس میں اس بات سے واقف ہونا کہ جو لباس وغیرہ کی

مانند کوئی شئ منگیتر اپنی منگیتر کو دیتا ہے اس کو تحفہ شمار کیا جائے گا۔ اور شادی کے موقع پر بارات کو مٹھائی پیش کرنا۔

(2) عرف فاسد:

وہ عادت جو نص کے مخالف ہو اس میں مصلحت معتبرہ نہ ہو اور اس میں نقصان کا اندیشہ ہو۔

مثال: ......مثلاً مصارف ربویہ یعنی سود پر قرض لینا۔ اور مجالس عزاء قائم کرنے پر لوگوں کا متعارف ہونا۔ اور ملاقات کے وقت برے الفاظ استعمال کرنے پر لوگوں کا متعارف ہونا۔

قاعدہ 45

اَلْاَعْرَافُ الْمُطَّرِدَةُ كَالْمَشْرُوْطِ.

"جو چیز عرف عام میں بہت جانی جاتی ہے وہ طے شدہ شرط کی طرح ہے۔"

تشریح

جو عادت بہت زیادہ عام ہوں اور کثیر الوقوع ہوں اس کو شرط کے قائم مقام تصور کیا جاتا ہے اور اس کا لحاظ اسی طرح کیا جاتا ہے جیسے شرعاً اس کی شرط طے کر لی گئی ہو۔

مثال: ...... میں جب کسی سے گھر کرایہ پر لوں گا اپنی رہائش کے لیے اور میں اس میں کوئی ایسا کام کرنا چاہوں جو خلاف عادت ہو تو وہ جائز نہیں ہے اگرچہ مجھ پر وہ شرط نہ بھی لگائی گئی ہو کیونکہ عرف عام میں جو چیز جانی جاتی ہے وہ شرط لفظی کی طرح ہے وہ قابل عمل ہے اور معتبر سمجھا جائے گا۔

فقہاء کے ہاں عرف کی اہمیت:

علماء اصول نے عرف و رواج کو بہت اہمیت دی ہے، مختلف فقہی قواعد میں وہ کہتے ہیں:

1:...... اَلْعَادَةُ مُحْكَمَةٌ عادۃ فیصلہ کن چیز ہے۔

2:...... اَلثَّابِتُ بِالْعُرْفِ كَالثَّابِتِ بِالنَّصِّ. جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ نص یعنی قرآن وحدیث سے ثابت کی مثل ہے۔

3:...... اَلثَّابِتُ بِالْعُرْفِ كَثَابِتٍ بِدَلِيْلٍ شَرْعِيٍّ. جو عرف میں ثابت ہے وہ شریعت میں دلیل شرعی سے ثابت کی طرح ہے۔ فقہاء نے کثیر مسائل میں مختلف علاقوں کے عرف و رواج ہی کو مدار بنا کر حکم جاری کیا ہے۔

عرف کو ماخذ قانون بنانے کی چار شرائط:

1:......عرف: قرآن وسنت کے حکم کے بالکل خلاف نہ ہو۔

2:......عرف: قرآن وسنت کے عام حکم کے خلاف بھی نہ ہو، اگر حکم کے کسی خاص جزء میں مخالفت ہوتی ہو تو ایسی صورت میں عام حکم سے اس خاص کو عرف کی بناء پر مستثنیٰ قرار دیں گے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ہر اس چیز کی خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیا ہے جو بیچنے والے کے پاس موجود نہ ہو، لیکن موچی سے جو معاہدہ جوتا تیار کرنے کا کیا جاتا ہے، اس میں جوتا موچی کے پاس موجود نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ تیار کر کے دیتا ہے، فقہاء نے عرف کی بناء پر اس صورت کو جائز قرار دیا ہے۔

3:......عرف: اگر ایک ایسے حکم کے خلاف ہو جو قرآن وحدیث سے حاصل نہ کیا گیا ہو بلکہ قیاس کے ذریعہ حاصل ہوا ہو تو قیاس کو چھوڑ کر عرف پر عمل کیا جائے گا۔

4:...... جو احکام محض عرف پر مبنی ہوں وہ عرف کے بدلنے سے بدل جائیں گے کیونکہ ان کی مدت عرف کی بقاء تک ہی تھی۔ [1]

[1] زیدان عبدالکریم، الوجیز: 248.

قاعدہ 46

جَمِيعُ الْعُقُودِ لَا بُدَّ اَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَّمْلِكُهَا.

"تمام عقود ضروری ہے کہ اس شخص کی طرف سے ہوں جو ان کا مالک ہے"

تشریح

تمام عقود کا مالک کی طرف سے ہونا ضروری ہے یعنی اس آدمی کی طرف سے جو اس عقد کا مالک ہے۔ اگر عقد، بیع کی شکل میں ہو تو ضروری ہے کہ عاقد مبیع کا مالک ہو۔ اگر عقد اجارہ کی صورت میں ہو تو ضروری ہے کہ موجر مستاجر کا مالک ہو۔ ایسے ہی دوسری اشیاء ہیں اسی بات کی طرف علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے:

وَشَــرْطُ عَــقْـدٍ كَـوْنُـهُ مِـنْ مَّـالِكٍ
وَكُـلُّ ذِیْ وَلَايَةٍ كَـالْـمَـالِكِ

"اور عقد کی شرط ہے کہ وہ مالک کی طرف سے ہو۔ اور ہر صاحب ولایت مالک کی طرح ہے۔"

اس شعر میں: (وكل ذي ولاية) کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ آدمی جس کو کسی چیز پر ولایت مل جائے وکالت یا وصیت یا کسی اور ذریعہ سے تو وہ آدمی اس شئی کا مالک ہے یعنی اس کا عقد نافذ ہو جائے گا۔

قاعدہ 47

مَنْ لَّا يُعْتَبَرُ رِضَاهُ لَا يُعْتَبَرُ عِلْمُهُ.

''جس کی رضا غیر معتبر ہے اس کا علم بھی غیر معتبر ہے۔''

تشریح

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کی رضا معتبر نہیں تو اس کا علم اور جاننا معتبر نہیں ہے، یعنی ہر وہ آدمی جس کی کسی شئی کے بارے رضا مندی غیر معتبر ہے تو اس آدمی کا اس شئے کو جاننا بھی غیر معتبر ہے۔ کیونکہ اس کی رضا غیر معتبر ہے، وہ چیز واقع ہو جائے گی چاہے اس کو اس شئے کا علم ہو یا نہ ہو۔ اس پر وہ راضی ہو یا راضی نہ ہو۔

مثال 1:......فقہاء اس کی مثال بیان کرتے ہیں کہ عورت کو طلاق دینا، طلاق میں نہ عورت کی رضا معتبر ہے اور نہ اس کا علم طلاق کے بارے معتبر ہے، اگر خاوند نے بیوی کو طلاق دی لیکن بیوی کو علم نہیں ہوا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

مثال 2:......اگر خاوند نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر اس کے بعد تین حیض گزر گئے لیکن بیوی کو طلاق کا علم نہیں ہوا تو اس کی عدت ختم ہوگئی کیونکہ بیوی کی رضا شرط نہیں ہے اور نہ ہی اس کا علم شرط ہے۔ اس کے برعکس ہر وہ شخص جس کی رضا معتبر ہے تو اس کا علم بھی معتبر ہے کیونکہ اس کی رضا بغیر علم کے ممکن ہی نہیں ہے۔

مثال :......ایک آدمی نے اپنی بہن کا نکاح بغیر اس کے علم کے کر دیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی رضا مندی شرط ہے اور رضامندی کے لیے اس کو نکاح کا علم ہونا ضروری ہے۔

قاعدہ 48

دَعْوَى الْفَسَادِ لَا تُقْبَلُ.

"دعویٰ فساد غیر مقبول ہے۔"

تشریح

یہ قاعدہ، قواعد عامہ سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب عقد میں جھگڑا ہو جائے ایک آدمی صحت عقد کا دعویٰ کرے اور دوسرا فساد عقد کا دعویٰ کرے تو فساد عقد کا دعویٰ غیر مقبول ہے۔

مثال :...... اگر کوئی آدمی عقد بیع کرتا ہے اور عقد پورا ہو جائے اور قبضہ بھی حاصل ہو جائے پھر بائع دعویٰ کرے کہ عقد جمعہ کی دوسری اذان کے بعد ہوا تھا تو یہ دعویٰ بلا دلیل غیر مقبول ہوگا، اور اسی طرح ہر عقد جس میں متبایعان اختلاف کریں ایک شخص ایسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے جو صحت کا تقاضا کرتی ہے، دوسرا شخص ایسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے جو مقتضی بالفساد ہے تو اس میں صحت عقد کا دعویٰ کرنے والے کا قول معتبر سمجھا جائے گا کیونکہ عقود اور معاملات میں یہی چیز اصل ہے۔

قاعدہ 49

كُلُّ مَا يُنكِرُهُ الْحِسُّ فَلَا تُسْمَعُ دَعْوَاهُ.

"ہر چیز جس کا حس انکار کرے تو وہ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہے۔"

تشریح

یہ قاعدہ بھی ان قواعد میں سے ہے جو دعویٰ کے بارے میں ہیں قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز جس کا حس انکار کرے تو وہ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہے۔ یعنی قاضی صاحب اس دعویٰ کی طرف توجہ نہ دیں اور اس کو اہمیت بھی نہ دیں اور اس پر کوئی بنیاد بھی نہ کھڑی کریں۔

مثال 1:...... ایک شخص جس کی عمر بیس (20) سال ہے دعویٰ کرے کہ فلاں شخص جس کی عمر گیارہ (11) سال ہے وہ میرا بیٹا ہے یہ دعویٰ غلط ہے اور قابل سماعت نہیں ہے کیونکہ ممکن ہی نہیں کہ ایسے شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو جس شخص کی عمر نو (9) سال ہو۔ اسی طرح کوئی پچاس سالہ آدمی دعویٰ کرے تیس سالہ آدمی کے بارے کہ میں اس کا بیٹا ہوں یہ دعویٰ ہرگز نہ سنا جائے گا کیونکہ بیٹے کا عمر میں باپ سے بڑا ہونا ناممکنات میں سے ہے لہٰذا یہ دعویٰ اسی وقت خارج کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی دعویٰ کرے کہ ایک مشرق میں رہنے والے شخص نے مغرب میں رہنے والے شخص پر زیادتی کی ہے دراں حالیکہ وہ اس کی زیادتی کے وقت مغرب میں تھا تو یہ دعویٰ بالکل غیر مسموع ہے کیونکہ یہ حس کے خلاف ہے۔ لیکن جو بعید ہو اور وہ ممکن ہو تو پھر دعویٰ قابل سماعت ہے، پھر اس کے بعد قرائن کو دیکھا جائے گا جن کا حکم تقاضا کرتا ہے مثلاً گواہ وغیرہ۔

قاعدہ 50

اَلْبَيِّنَةُ عَلٰی مَنِ ادَّعٰی.

''مدعی پر دلیل ضروری ہے۔''

تشریح

پیچھے یہ بتایا گیا ہے کہ جو آدمی غیر ممکن چیز کا دعویٰ کرے تو وہ قابل سماعت نہیں ہوگا۔ اب اس قاعدہ میں یہ بتایا جارہا ہے کہ جو آدمی ممکن چیز کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ بغیر دلیل قبول نہیں کیا جائے گا۔

سماع دعویٰ اور قبول دعویٰ میں فرق؟

عدم سماع کا معنی یہ ہے کہ قاضی مدعی کے دعویٰ کی طرف توجہ نہ کرے اور اس کو اہمیت نہ دے۔ جبکہ عدم قبول کا معنی یہ ہے کہ قاضی دعویٰ سنے اور اس میں غور وفکر کرے پھر حسب قواعد اس پر حکم جاری کرے۔

یہ قاعدہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے اَلْبَيِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰی مَنْ اَنْكَرَ. [1] ثبوت مدعی پر ہے اور قسم مدعا علیہ پر ہے۔ البینة سے مراد واضح ثبوت اور دلیل ہے اور الیمین سے مراد قسم کھانا ہے۔

مثال 1:......اگر زید دعویٰ کرے عمرو پر قرضہ کا اور عمرو نے انکار کر دیا تو ہم زید کو دلیل کا کہیں گے اگر وہ دلیل پیش کر دے تو اس کے مطابق فیصلہ ہوگا نہ کہ اس کے دعویٰ کے مطابق کیونکہ اس کا دعویٰ سبب ہے فیصلہ کا تقاضا کرنے والا نہیں ہے۔ اگر زید دلیل نہ لائے تو منکر (عمرو) کو کہا جائے گا کہ وہ قسم اٹھائے اگر قسم اٹھالی تو وہ بری ہوگا اگر قسم نہ اٹھائی تو اس

[1] ترمذی: 1341، بیہقی: 8/279.

کے خلاف فیصلہ دے دیا جائے گا۔ کیا قسم مدعی پر لوٹائی جائے گی جب مدعی علیہ انکار کر دے؟ اس میں فقہاء اور علماء کے دو قول ہیں: (1) بعض کہتے ہیں کہ قسم مدعی پر نہیں لوٹائی جائے گی۔ (2) اور بعض کہتے ہیں مدعی پر قسم لوٹائی جائے گی۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ قاضی کی رضا پر موقوف ہے اگر قاضی مدعی کی طرف قسم لوٹانے کو مناسب سمجھے تو کوئی حرج نہیں۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ منکر (مدعی علیہ) جب قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو فیصلہ اس کے خلاف دیا جائے گا۔

مثال 2:......اسی طرح اگر زید دعویٰ کر دے کہ عمرو کے ہاتھ جو سونا ہے وہ میرا ہے اور عمرو کہے میرا ہے تو ایسی صورت میں مدعی (زید) کو کہا جائے گا کہ دلیل لاؤ اگر وہ ایسا ثبوت پیش کر دے کہ جس سے ظاہر ہو کہ یہ سونا زید کا ہے تو اس کے حق میں فیصلہ ہوگا کیونکہ یہی چیز مطلوب ہے اگر دلیل نہ لائے تو مدعی علیہ (عمرو) کو کہا جائے گا کہ تو قسم دے اگر قسم اٹھائے گا تو سونا اسی کا ہوگا اگر انکار کر دے تو فیصلہ اس کے خلاف دیا جائے گا اس کے انکار کرنے کی وجہ سے۔

دعویٰ کی تعریف:

اگر اپنے کسی حق کی نسبت دوسرے کی طرف ہو تو یہ دعویٰ ہے۔ اگر غیر کے حق کی نسبت اپنی طرف ہو تو یہ اقرار ہے۔ اگر غیر کے حق کی نسبت کسی دوسرے کی طرف ہو تو شہادت ہے۔

بینات:

یہ بَیِّنَةٌ کی جمع ہے، بینہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے حق بات کھل کر سامنے آ جائے۔ چاہے یہ بینہ خارجیہ ہو یا حالیہ مثلاً قرائن اور چاہے برأت اصلیہ پر بینہ ہو جیسے منکر کا انکار۔ اور یہ بینہ گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور اقرار یا انکار بھی ہو سکتے ہیں۔ غرض ہر وہ بات جو حق کو کھول دے وہ بینہ ہے اور قرائن پر عمل کرنا بھی اسی قبیل سے ہے جیسے سیدنا یوسف علیہ السلام کے گواہ نے قرائن پر کہا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَٰذِبِينَ ۝٢٦ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّٰدِقِينَ ۝٢٧﴾

(یوسف:12/26-27)

''اگر اس کی قمیص آگے سے پھاڑی گئی ہو تو عورت نے سچ کہا اور یہ جھوٹوں میں سے ہے۔ اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھاڑی گئی ہے تو عورت نے جھوٹ کہا اور یہ سچوں میں سے ہے۔'' (فتح ذی الجلال والاکرام شرح بلوغ المرام)

قاعدہ 51

اَلْاَمِیْنُ هُوَ الَّذِیْ حَصَلَتِ الْعَیْنُ بِیَدِهٖ.

''امین وہ ہے جس کے ہاتھ میں عین چیز حاصل ہو۔''

تشریح

اس قاعدہ میں امین کی وضاحت کی گئی ہے امین وہ شخص ہے جس کے ہاتھ میں عین حاصل ہو شارع کی اجازت کے ساتھ مثلاً یتیم کا ولی اور ذمہ دار۔ یا مالک کی اجازت کے ساتھ حاصل ہو۔ مثلاً وکیل اور وصی اور نگہبان، جب ان میں سے کوئی بھی دعویٰ کر دے کہ اس نے عین کو اس کے صاحب کی طرف واپس کر دیا ہے تو واپسی میں اس کا قول مقبول ہے مگر اس صورت میں کہ جس کے ہاتھ میں عین ہے اس میں اس کا حصہ ہو تو واپس کرنے کا دعویٰ غیر مقبول ہے حتیٰ کہ کوئی دلیل لے آئے۔ علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

كُلُّ اَمِيْنٍ يَدَّعِي الرَّدَّ قُبِلْ
مَا لَمْ يَكُنْ فِيْمَا لَهٗ حَظٌّ حَصَلْ

''ہر امین جو واپس کرنے کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ قبول ہے (کیونکہ وہ امین ہے) جب تک مدعی کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔''

مثال:...... ایک شخص کسی دوسرے سے عاریۃً کوئی ضرورت کی چیز لیتا ہے پھر مستعیر (ادھار لینے والا) دعویٰ کر دے کہ اس نے وہ ضرورت کی چیز معیر (ادھار دینے والے) کو واپس کر دی ہے تو اس کا یہ قول مقبول نہیں ہوگا کیونکہ مستعیر نے وہ چیز حاجت کے طور پر اپنے لیے لی ہے۔

قاعدہ 52

مَنِ ادَّعَى التَّلَفَ وَهُوَ اَمِينٌ فَدَعْوَاهُ مَقْبُوْلَةٌ.

''جو تلف کا دعویٰ کرے حالانکہ وہ امین ہے تو اس کا دعویٰ مقبول ہے۔''

تشریح

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اس قاعدہ کو یوں بیان کیا ہے:

وَاَطْلِقِ الْقَبُوْلَ فِي دَعْوَى التَّلَفِ
وَكُلُّ مَنْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ حَلَفْ

''اور مطلق طور پر قبول کر دعویٰ تلف کو اور ہر وہ شخص جس کا قول قبول کیا جائے وہ قسم اٹھائے۔''

ہر وہ شخص جو تلف کا دعویٰ تلف کر دے اور وہ امین ہو تو اس کا دعویٰ مطلقاً قبول ہے۔ بشرطیکہ وہ امین ہو اور عین اس کے ہاتھ میں ہو شارع کی اجازت کے ساتھ ہو یا مالک کی اجازت کے ساتھ ہو تو اس کا دعویٰ مقبول ہوگا جب وہ تلف کا دعویٰ کرے لیکن قسم ضروری ہے۔

قاعدہ 53

كُلُّ مَنْ يُقْبَلُ قَوْلُهُ فَإِنَّهُ يَحْلِفُ.

"ہر وہ شخص جس کا قول مقبول ہو تو وہ قسم اٹھائے۔"

تشریح

یعنی جس کا قول مقبول ہے وہ قسم اٹھائے گا۔

مثال: ......مثلاً ایک آدمی کو تم اپنا مال ودیعت کے طور پر دیتے ہو تو وہ آدمی دعویٰ کر دے کہ آپ کا مال تلف ہو گیا ہے۔ تو اس کی بات قبول کی جائے گی لیکن وہ قسم بھی اٹھائے گا۔

مثال: ......ایک آدمی آپ سے کوئی ضرورت کی چیز عاریۃً لے پھر وہ دعویٰ کرے کہ وہ چیز تلف ہو گئی ہے تو اس کی بات قبول کی جائے گی لیکن وہ قسم اٹھائے گا۔

مثال: ......اور اسی طرح ہر وہ شخص کہ عین (چیز یا نقدی) اس کے ہاتھ میں ہے شارع یا مالک کی اجازت کے ساتھ تو چیز کے تلف ہو جانے میں اس کی بات مقبول ہو گی۔ لیکن قسم اٹھائے گا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جس کے ہاتھ میں عین ہے شارع کی اجازت سے یا مالک کی اجازت سے تو تلف میں اس کا قول قبول کیا جائے گا۔

قاعدہ 54

اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ.

"تو ادا کر امانت اس کو جس نے تجھے امانت دی اور مت خیانت کر اس سے جو تجھ سے خیانت کرے۔"

تشریح

یہ قاعدہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

((اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ .)) [1]

"امانت دو اس کو جس نے تم کو امانت دے رکھی ہے جو تم سے خیانت کرے تم اس سے مت خیانت کرو۔"

مثال: ...... جب کوئی آدمی آپ کو بطور امانت سو(100) روپیہ دے جبکہ آپ کے بھی اس آدمی کے ذمہ سو(100) روپیہ تھا جن کا اس نے انکار کیا ہے تو تم کو جائز نہیں کہ تم بھی اس سو روپے دینے کا انکار کرو بلکہ اس کی امانت اس کو واپس کرو۔ اس کا بوجھ اس کے ذمہ ہے اور آپ کو اجر ملے گا کیونکہ اس کے ساتھ ہی لوگوں کے اموال سلامت ہیں اگر ہم کہہ دیں کہ جو تم سے خیانت کرے تم بھی اس سے خیانت کرو تو اس طرح لوگ ایک دوسرے کا مال لے جائیں گے اور معاملات سنبھلنے کی بجائے بگڑ جائیں گے۔

[1] مسند احمد: 414/3، ابو داود: 3534، صححه الالبانی.

قاعدہ 55

جَوَازُ اَخْذٍ مِنْ مَالِ مَنْ مَنَعَهُ.

”جائز ہے اس آدمی کا مال لینا جو اس کو روکے۔“

تشریح

پچھلے قاعدہ میں بیان کیا گیا تھا کہ جو آدمی تم سے خیانت کرے جب وہ آدمی تم کو کوئی امانت دے تو آپ کو اس میں خیانت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، تو اس قاعدہ میں ایک استثنائی صورت بیان کی گئی ہے کہ انسان جس چیز کا حق دار ہے سبب ظاہر کے ساتھ تو انسان کے لیے اس شخص کا مال لینا جائز ہے جو مال کو سرًّا یا اعلاناً روکے۔

مثال 1:...... مثلاً مہمان کا حق ہے میزبان پر جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ.)) ❶

”جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ تو اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔“

جب میزبان مہمان کا حق روک لے، تو مہمان کے لیے جائز ہے کہ میزبان کے مال میں سے بقدر کفایت معروف طریقہ کے مطابق لے لے کیونکہ یہ سبب ظاہر ہے اس میں نہ خیانت اور نہ ہی عوض (بدلہ) واقع ہو سکتا ہے۔

مثال 2:...... جب کسی انسان کے ذمہ کسی دوسرے کا نفقہ واجب ہو اور وہ نفقہ نہ دے تو جس کے لیے نفقہ ہے اس کو نفقہ روکنے والے کے مال سے بقدر کفایت معروف طریقہ کے

---

❶ بخاري: 6019، مسلم: 48/77.

ساتھ لینا جائز ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جب ہند بنت عقبہ نے نبی کریم ﷺ کو کہا کہ ابوسفیان ایک بخیل انسان ہے وہ مجھے نفقہ نہیں دیتا جو مجھے اور میرے بچوں کو کفایت کرے تو اس وقت نبی کریم ﷺ نے ہند بنت عقبہ کو اجازت دی کہ ابوسفیان کے مال سے تم اتنا لے لو جتنا تم کو اور تمہارے بچوں کو کفایت کرے لیکن معروف طریقہ کے مطابق۔ خُـذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْف. [1]

---

[1] بخاری: 5364، مسلم: 1714/7.

قاعدہ 56

اَلشَّیْءُ قَدْ یَثْبُتُ تَبَعًا لِغَیْرِہٖ.

”شئے کا حکم کبھی ثابت ہوتا ہے کسی دوسری شئے کے تابع ہو کر۔“

تشریح

اس قاعدہ کو یوں تعبیر کیا جاتا ہے: اَلشَّیْءُ قَدْ یَثْبُتُ تَبَعًا لِغَیْرِہٖ. اور فقہاء (رحمۃ اللہ علیہم) نے اس قاعدہ کو یوں بھی بیان کیا ہے: یَثْبُتُ تَبَعًا مَا لَا یَثْبُتُ اِسْتِقْلَالًا اور کبھی یوں بھی بیان کرتے ہیں: اَلتَّابِعُ تَابِعٌ تابع جو ہے وہ تابع ہی رہتا ہے، یہ قاعدہ چند مثالوں سے ماخوذ ہے جو شریعت نے بیان کی ہیں۔ ان امثلہ میں سے چند ایک یہ ہیں:

مثال 1:...... حمل کی بیع کیونکہ حمل کی الگ بیع جائز نہیں ہے نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا ہے، کیونکہ حمل اس جانور کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے، لہٰذا اگر تم کہو میں نے تجھے یہ بکری فروخت کی اور اس کا حمل بھی تو یہ بیع درست نہیں ہے کیونکہ اس نے اس عبارت میں حمل کو ماں سے الگ کر دیا ہے اور یہ مثال اس قاعدہ یَثْبُتُ تَبَعًا مَا لَا یَثْبُتُ اِسْتِقْلَالًا. پر مکمل فٹ آتی ہے۔

مثال 2:...... اسی طرح تھنوں میں دودھ کی بیع اگر بائع نے دودھ کو الگ سے فروخت کیا۔ (جیسا کہ حمل کو فروخت کیا) تو منع ہے اگر بکری دودھ سمیت فروخت کی گئی تو درست ہے کیونکہ دودھ اس جانور کے تابع ہے، اس قاعدہ کی مزید توضیح یوں سمجھیں کہ تابع سے مراد وہ چیز ہے جو کسی دوسری چیز کا یا تو وہ پیدائشی سبب سے جزء ہے مثلاً جانور کے سینگ، ہاتھی کے دانت، جانور کا حمل، بھیڑ کی اون، جانور کے تھن کا دودھ، یا وہ شئی اس کی بنیادی ضروریات میں ہے کہ اس کے بغیر دوسری چیز کا کام نہیں چل سکتا مثلاً تالے کی چابی وغیرہ۔

قاعدہ 57

كُلُّ شَرْطٍ يُفْسِدُ الْعَقْدَ بِالذِّكْرِ يُفْسِدُهُ بِالنِّيَّةِ.

''ہر شرط جو ذکر کرنے کے ساتھ عقد کو فاسد کرے وہ شرط عقد کو نیت ساتھ بھی فاسد کر دے گی۔''

تشریح

بلاشبہ جو شرط ذکر کرنے کے ساتھ عقد کو فاسد کر دیتی ہے وہ شرط اگر نیت میں ہو ذکر نہ کی جائے تو تب بھی وہ عقد کو فاسد کر دے گی اور باطل کر دے گی۔

مثال 1:......فقہاء نے اس کی مثال نکاح حلالہ سے دی ہے کہ کسی مطلقہ ثلاثہ سے نکاح کرنا۔ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی ہیں وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو سکتی جب تک وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ اگر اس عورت کے عقد نکاح کے وقت پہلا خاوند یہ شرط ذکر کرے کہ تم نے اس سے صحبت کرنے کے بعد طلاق دے دینی ہے تو یہ نکاح فاسد ہے۔ اسی طرح اگر وہ نیت کرے اس کی بغیر شرط لگانے کے تو پھر بھی نکاح فاسد ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، لِكُلِّ عَامِلٍ مَا نَوٰى.

مثال 2:......جو آدمی کسی عورت سے نکاح کی نیت کرے اپنے کوچ کرنے تک، یہ ایک اجنبی انسان کے متعلق ہے جو اجنبی شہر میں کسی عورت سے نکاح کرے اس نیت سے کہ جب وہ اپنے گھر اور اہل کو واپس جانے لگے گا تو اس کو طلاق دے گا، تو ایسی صورت میں اس کا نکاح باطل ہے اگرچہ وہ عقد نکاح کے وقت یہ شرط لگائے جیسے نکاح تحلیل میں نیت ہوتی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ.

استثنائی صورت:

قاعدہ میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ حرام کا قصد کرنا اس کے کرنے کی مانند ہے۔ تو اس سے استثنائی صورت یہ ہے کہ جو آدمی اپنے صاحب اور دوست کے ارادہ اور قصد سے واقف نہیں اس کو اس کی نیت کا علم نہیں تو یہ عقد اس کی جانب سے فاسد نہیں ہے۔

مثال 1:...... نکاح حلالہ، خاوند حلالہ کی نیت کرے جبکہ عورت اور اس کا ولی حلالہ کی نیت نہیں کرتے اور نہ ہی یہ دونوں خاوند کی نیت پر مطلع تھے یعنی ان دونوں کو خاوند کی نیت کا علم نہیں تھا۔ تو یہ عقد نکاح ان کے حق میں فاسد نہیں ہے لیکن خاوند کے حق میں یہ عقد فاسد ہے۔

مثال 2:...... اسی طرح جو آدمی سود کے متعلق حیلہ سازی کرے اور بطریق حیلہ نیت سود کی ہو اور اس کے ساتھ دوسرا آدمی جس سے معاملہ طے کر رہا ہے اس کو اس کی نیت کا علم نہیں ہے تو یہ بیع حیلہ ساز کے حق میں حرام ہے اور ناواقف آدمی کے حق میں جائز ہے کیونکہ ناواقف آدمی اس حیلہ ساز کی نیت باطنہ کو نہیں جانتا ہے اور بیع ظاہری طور پر اس نے جاری کر دی کیونکہ احکام دنیا میں ظاہر کے مطابق جاری ہوتے ہیں بخلاف آخرت کے کیونکہ آخرت میں احکام باطن پر جاری ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ ﴾

(العادیات: 100/ 9-10)

"کیا اسے وہ وقت معلوم نہیں جب قبروں میں جو (کچھ) ہے نکال لیا جائے گا اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۭ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ ﴾ (الطارق: 86/ 8-9)

"بے شک وہ اسے پھیر لانے پر یقیناً قادر ہے، جس دن پوشیدہ باتوں کی جانچ پڑتال ہوگی۔"

قاعدہ 58

كُلُّ شَرْطٍ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ.

"ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے۔"

تشریح

اس کا مطلب یہ ہے کہ شرط اور صلح جب حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے تو یہ دونوں قبول نہیں ہوں گی اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا اَحَلَّ حَرَامًا اَوْ حَرَّمَ حَلَالًا وَالصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا صُلْحًا اَحَلَّ حَرَامًا اَوْ حَرَّمَ حَلَالًا .)) ❶

"مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں مگر ایسی شرط جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے (جائز نہیں) اور صلح جائز ہے مسلمانوں کے درمیان مگر ایسی صلح جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے (جائز نہیں)۔"

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((كُلُّ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَاِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ .)) ❷

---

❶ بخاری معلقًا: 451/4، کتاب الاجارة، باب اجر السمسرة، ترمذی: 635/3، ابن ماجه: 2353.

❷ بخاری: 2168، مسلم: 1504، ابوداود: 3929، ترمذی: 1256، نسائی: 163/6، ابن ماجه: 2521، احمد: 33/6، دارمی: 2289.

"جب عقد میں کوئی شرط لگائی جائے اور وہ شرط حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنانے کا باعث نہیں تو وہ شرط درست ہے۔"

اگر ہم اس میں شک کریں تو اصل بات صحت کی ہی ہے یعنی وہ شرط درست ہے حتیٰ کہ کوئی ایسی دلیل قائم ہو جو یہ بتائے کہ یہ شرط شرع کے مخالف ہے۔

شرط کی تعریف:

وہ چیز کہ جس کے عدم سے عدم لازم آئے اور اس کے وجود سے دوسری چیز کا وجود لازم نہ آئے اور نہ ہی عدم لذاتہ لازم آئے مثلاً وضو نماز کے لیے شرط ہے۔

صلح کی تعریف:

ایسا عقد جو نزاع کو رفع کر دے۔

قاعدہ 59

كُلُّ مَشْغُوْلٍ لَيْسَ يُشْغَلُ.

''ہر مشغول شئے کو دوسری چیز میں مشغول نہیں کیا جا سکتا۔''

تشریح

اس قاعدہ کو اس مثال سے سمجھا جائے، اگر ایک آدمی نے اپنا گھر کسی شخص کے پاس گروی رکھا پھر اس نے ارادہ کیا کہ اپنا گھر کسی دوسرے شخص کے پاس گروی رکھے تو دوسرے شخص کے پاس گھر کو گروی رکھنا درست نہیں کیونکہ اگر ہم دوسرے شخص کے پاس گھر گروی رکھنے کو درست قرار دیں گے تو گویا ہم نے پہلے آدمی کے پاس گروی رکھنے کو ساقط کر دیا۔ یہ درست نہیں ہے۔ (اس کے برعکس) اگر ہم مشغول چیز کو کسی ایسی چیز میں مشغول کر دیں جو پہلے آدمی کا حق ساقط نہ کرتا ہو تو یہ درست ہے۔

مثال: ......آدمی اپنے مستاجر (کرائے) کا گھر فروخت کر دیتا ہے تو یہ بیع درست ہے کیونکہ اس سے مستاجر (کرائے پر گھر لینے والے) کا حق ساقط نہیں ہوتا۔

قاعدہ 60

إِنَّ الْمُبْدَلَ لَهُ حُكْمُ الْمُبْدَلِ.

”بے شک مبدل لہ کا حکم مبدل کا سا ہے۔“

تشریح

اس کی مثالیں کثیر ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تیمّم بدل ہے طہارت بالماء کا تیمّم کا حکم وہی ہے جو پانی کا ہے۔ یعنی جو چیز طہارت بالماء کے ساتھ مباح اور جائز ہے ایسے ہی تیمّم کی طہاررت کے ساتھ مباح اور جائز ہے جس طرح طہارت پانی کے ساتھ حدث مرتفع ہوتا ہے اسی طرح تیمّم کے ساتھ بھی مرتفع ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر مُبِیْحُ التیمم (عدم ماء) زائل ہو جائے یعنی پانی مل جائے پھر پانی کا استعمال واجب ہے۔ لہٰذا اگر مریض نے نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے تیمّم کر لیا اور حدث لاحق نہیں ہوا تو اس پر تیمّم کا اعادہ واجب نہیں ہے طہارت بالماء کی طرح۔

قاعدہ 61

رُبَّ مَفْضُوْلٍ يَكُوْنُ اَفْضَلَ.

''بسا اوقات مفضول افضل ہو جاتا ہے۔''

تشریح

یعنی بسا اوقات مفضول کو ایسی چیز لاحق ہوتی ہے جو مفضول کو افضل بنا دیتی ہے اس قاعدہ کی امثلہ کثیر ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

مثال: ......اس قاعدہ کی مثال یہ ہے مثلاً قرآن کی تلاوت افضل ذکر ہے لیکن جب مؤذن اذان دے تو قرآن پڑھنے والا مؤذن کے متابع ہے اور موذن کی متابعت تلاوت قرآن سے افضل ہے کیونکہ متابعت کا حکم سبب کے ساتھ مقرون ہے جب متابعت سبب سے مؤخر ہو جائے تو اس کی مشروعیت باقی نہیں رہتی جبکہ تلاوت قرآن کا وقت موسع (کھلا) ہے یعنی تلاوت قرآن دوسرے وقت بھی ہو سکتی ہے لہٰذا مؤذن کا جواب دینا تلاوت قرآن مجید سے افضل ہو گیا۔

قاعدہ 62

اَلْاِسْتِدَامَةُ اَقْوٰی مِنَ الْاِبْتِدَاءِ.

''استدامہ (برقرار رہنا، مسلسل رہنا) زیادہ قوی ہے ابتداء سے۔''

تشریح

اس قاعدہ کو ان الفاظ کے ساتھ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ (اَلْبَقَاءُ اَسْھَلُ مِنَ الْاِبْتِدَاءِ) بقاء ابتداء سے آسان ہوا کرتی ہے۔ دونوں کا مفہوم ایک جیسا ہے، اس کی امثلہ بکثرت ہیں۔

مثال:...... محرم کا خوشبو لگانا اس کا استدامہ (باقی رہنا جائز ہے۔) ابتداء جائز نہیں ہے۔ یعنی محرم جب احرام کے وقت خوشبو لگائے اور اس کے بدن پر احرام پہننے کے بعد باقی رہے تو جائز ہے اس کی دلیل سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے:

((کَاَنِّی اَنْظُرُ اِلٰی وَبِیْصِ الْمِسْكِ فِی مَفَارِقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ مُحْرِمٌ.)) ❶

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں گویا کہ میں نبی کریم ﷺ کی مانگ میں حالت احرام میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں۔ کیونکہ احرام پہننے کے بعد خوشبو کا اثر آپ ﷺ پر باقی تھا۔''

اگر محرم ابتداء خوشبو لگانا چاہے تو یہ جائز نہیں ہے۔

مثال 2:...... بحالت احرام ایک آدمی نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا تو یہ جائز ہے کیونکہ رجوع استدامہ (بقاء) ہے۔ اگر محرم عقد نکاح کرنا چاہے تو نکاح صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ابتداء ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ (البقرة:2/228)

''ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حق دار ہیں۔''

---

❶ بخاری: ص 208، کتاب الحج، باب الطیب عند الاحرام حدیث: 1538.

قاعدہ 63

اَلْاَصْلُ بَقَاءُ مَا كَانَ عَلٰى مَا كَانَ.

''کسی چیز کی جو حالت پہلے تھی اسی کو باقی رکھنا اصل ہے۔''

تشریح

ہر وہ چیز جس کا عدم معلوم یا وجود معلوم ہو تو اصل یہ ہے اس کو اس حالت پر باقی رکھا جائے جو معلوم ہے یعنی جو حالت پہلے تھی۔ بعض فقہاء نے اس قاعدہ کو اَلْیَقِیْنُ لَا یَزُوْلُ بِالشَّكِّ کا ایک فرعی قاعدہ قرار دیا ہے۔

اصولی اپنی کتابوں میں استصحاب کے عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں امام ونشریسی مالکی کہتے ہیں کہ اس قاعدہ کو عرف اصولی میں استصحاب حال کا نام دیا جاتا ہے۔ [1]

اس قاعدہ کی مثالیں بے شمار ہیں، طہارت، زکوٰۃ، نماز، روزہ، حج، بیوع، نکاح وغیرہ میں۔ مثلاً

مثال 1:...... جب کسی آدمی نے وضو کیا پھر شک لاحق ہوا کہ اس کا وضو سلامت ہے یا ٹوٹ گیا ہے تو ہمارے ہاں اس مسئلہ میں ایک معلوم شئی ہے اور ایک شئی مشکوک ہے۔ معلوم شئی طہارت ہے اور حدث مشکوک ہے تو معلوم شئی پر باقی رہنا اصل ہے یعنی طہارت پر حتیٰ کہ طہارت کے ختم ہونے کا یقین ہو جائے۔

مثال 2:...... ایسے ہی ایک آدمی بے وضو ہے اس کو شک ہوا کہ اس نے وضو کیا ہے یا نہیں؟ تو ہم کہتے ہیں کہ وہ اپنی سابقہ حالت پر باقی رہے گا یعنی حدث پر حتیٰ کہ وہ طہارت کا یقین کرے۔

---

[1] القواعد الفقهيه لابن عثيمين: ص 76، حاشيه: 1.

مثال 3:......ایک آدمی کے ذمہ قضاء نماز ہے اس کو شک ہوا کہ اس نے قضاء دی ہے یا نہیں؟ تو ہم کہتے ہیں کہ قضاء کا وجوب معلوم ہے اور اس سے بری الذمہ ہونا مشکوک ہے تو اس پر معلوم چیز باقی ہے یعنی قضاء دینا لازم ہے۔

مثال 4:......ایک آدمی کو شک ہے کہ اس نے اپنے مال کی زکوٰۃ دی ہے یا نہیں؟ تو ہمارے نزدیک معلوم چیز زکوٰۃ کی عدم ادائیگی ہے اور مشکوک چیز زکوٰۃ کی ادائیگی ہے تو اس آدمی کے ذمہ معلوم چیز باقی ہے وہ ہے زکوٰۃ کی عدم ادائیگی لہٰذا اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے۔

مثال 5:......ایک آدمی کو شک ہوا کہ اس نے اپنی زوجہ کو طلاق دی ہے یا نہیں؟ تو ہم کہتے ہیں کہ نکاح معلوم چیز ہے اور طلاق مشکوک چیز ہے تو معلوم چیز (نکاح) پر باقی رہنا اصل ہے اس کی امثلہ بے شمار ہیں۔ بعض فقہاء اس قاعدہ کو اَلْاَصْلُ بَقَاءُ مَا کَانَ عَلٰی مَاکَانَ سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض بَقَاءُ مَا عَلِمَ عَلٰی مَا عَلِمَ، سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اَلشَّكُّ لَا یُزِیْلُ الْیَقِیْنَ سے اور بعض اَلْیَقِیْنُ لَا یَزُوْلُ بِالشَّكِّ سے تعبیر کرتے ہیں اور معنی سب کا ایک ہے۔

اصل کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

لغوی معنی کسی شئے کے سب سے نچلے حصے کو کہتے ہیں اور اصطلاحی معنی۔ یہ کثیر معانی پر بولا جاتا ہے ایک معنی ہے قانون اور قاعدہ۔ اور اس سے مراد وہ اصول ہیں جو اپنی جزئیات پر منطبق (فٹ) آتے ہوں اور اس جگہ یہی معنی مراد ہے۔

قاعدہ 64

اَلنَّفْىُ لِلْوُجُوْدِ ثُمَّ لِلصِّحَّةِ ثُمَّ لِلْكَمَالِ.

"نفی وجود کے لیے پھر صحت کے لیے پھر کمال کے لیے آتی ہے۔"

تشریح

اس قاعدہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ نفی میں اصل بات یہ ہے کہ نفی وجود کے لیے ہوتی ہے اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر نفی صحت کی ہوتی ہے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر نفی کمال ہوتی ہے یعنی رتبہ کا اعتبار کیا جائے گا اولاً نفی کو وجود پر محمول کیا جائے گا پھر نفی صحت پر، پھر نفی کمال پر محمول کیا جائے گا۔

مثال 1:...... مثلاً جب کہا جائے: (لَا خَالِقَ اِلَّا اللّٰہ) یہ نفی وجود کی ہے۔

مثال 2:...... جب کہا جائے: (لَا صَلٰوةَ بِغَيْرِ وُضُوْءٍ) اور آدمی بغیر وضو کے نماز پڑھ لے۔ تو ہم کہیں گے نماز کا وجود تو حاصل ہے لیکن صحت کی نفی ہے۔

مثال 3:...... جب کہا جائے: (لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ طَعَامٍ) اس جگہ نماز کا وجود بھی ہے اور صحت بھی ہے تو یہ نفی کمال کی نفی ہے۔ یہ قاعدہ آپ کو ان جیسے مقامات پر بہت مفید ہوگا۔

قاعدہ 65

اَلْاَصْلُ فِي الْقُيُوْدِ اَنَّهَا لِلْاِحْتِرَازِ.

''قیود اصل میں احترازی ہوتی ہیں۔''

تشریح

قیود درحقیقت احتراز کے لیے ہوتی ہیں۔''

مثال 1:......مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ (النور:24/ 4)

''اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں اور ان کو اسی (80) درے مارو۔''

محصنات کی قید کے ساتھ غیر محصنات سے احتراز کیا جاتا ہے، اگر غیر محصنۃ پر تہمت لگائی جائے تو اس پر یہ حکم (حد قذف) مترتب نہیں ہوتا۔ اس کو ظلم و زیادتی کی وجہ سے تعزیر لگائی جائے گی۔

مثال 2:......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ (النسآء:92/4)

مومنہ کا لفظ قید احترازی ہے غیر مومنہ سے۔ اور قید غیر احترازی کے لیے کم ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾ (البقرة: 21/2)

''اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔''

اس آیت میں اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ یہ قید احترازی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے یہ بیان علت کے لیے ہے یعنی تم کو یہ مناسب نہیں کہ غیر اللہ کی عبادت کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے۔

قاعدہ 66

اِذَا تَعَذَّرَ الْيَقِيْنُ رَجَعْنَا اِلٰى غَلَبَةِ الظَّنِ.

''جب یقین متعذر (مشکل) ہوتو رجوع غلبہ ظن کی طرف کریں گے۔''

تشریح

''اِذَا تَعَذَّرَ الْيَقِيْنُ'' کا مطلب ہے کہ جب یقین تک پہنچنا ممکن نہ ہوتو غلبہ ظن کی طرف رجوع کرلو۔

مثال :...... جب آدمی کو شک ہوا اپنی نماز میں کیا اس نے تین رکعات ادا کی ہیں یا چار۔ اس آدمی پر یقین متعذر ہو گیا تو وہ تحری (کوشش کرنا) کے ساتھ غلبہ ظن کو اپنا لے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِىْ صَلٰوتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلَيْهِ)) [1]

''جب تم میں کوئی اپنی نماز میں شک کرے تو وہ درستگی کی طرف کوشش کرے پھر اس پر بناء کرے۔''

---

[1] مسلم فی المساجد: حدیث 572/89، بخاری: 401۔ ابوداود: 1020۔ ابن ماجه: 1211۔ نسائی 29/3۔ احمد: 379/1۔ ابن خزیمه: 1028۔

قاعدہ 67

اَلْقُرْعَةُ

"قرعہ ڈالنا"

تشریح

یعنی ہر مشتبہ امر جس میں صرف قرعہ ڈالنے سے ہی امتیاز کیا جا سکے تو قرعہ ڈالنا جائز ہے۔ ابن رجب حنبلی نے اپنی کتاب قواعد الفقھیہ کا آخری قاعدہ قرعہ ذکر کیا ہے انھوں نے اس پر کثیر امثلہ ذکر کی ہیں۔ ان میں سے چند ایک ہم ذکر کرتے ہیں۔

مثال 1:...... جب دو آدمی آپس میں کسی شئ پر جھگڑا کریں اور ترجیح کے ساتھ اور قرائن کے ذریعہ کسی کو دوسرے پر امتیاز بھی نہیں کیا جا سکتا تو ان دونوں کے درمیان قرعہ ڈالنا جائز ہے۔

مثال 2:...... ایک آدمی اپنی لونڈی کو کہے کہ پہلا بچہ جو تو جنم دے وہ آزاد ہے اور لونڈی نے دو جڑواں بچے جنم دیئے اور معاملہ بھی مشتبہ ہو گیا کہ اولاً کون پیدا ہوا تو ان دونوں کے درمیان قرعہ ڈالا جائے گا کیونکہ عتق تو ایک معین پر ہوگی۔ اور ابتداءً ہی معاملہ مجہول ہو گیا۔ [1]

مثال 3:...... جب کسی کو دو آدمی دعوت ولیمہ دیں اور دونوں صفاتِ مرجحہ میں برابر ہوں تو دونوں میں قرعہ ڈالا جائے گا۔ [2]

مثال 4:...... جب آدمی اذان میں جھگڑا کریں جبکہ وہ سب صفات مرجحہ میں مستوی ہوں تو ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے گا دلیل یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے

---

[1] قواعد ابن رجب 447۔

[2] قواعد ابن رجب 435۔

درمیان اذان کے بارے قرعہ ڈالا قادسیہ کے دن۔ ❶

قرعہ کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو مقام پر ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴾ (آل عمران:44/3)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝﴾

(الصافات:37/140-141)

اور احادیث میں بھی چند مقامات پر قرعہ کا ذکر ہے وہ مقامات آپ کی پیش خدمت ہیں۔

(ا) حدیث سیدنا انس (رضی اللہ عنہ) کہ نبی کریم ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے۔ أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا۔ آپ ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے جس کا قرعہ نکلتا اس کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ ❷

(ب) عمران بن حصین سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی موت کے قریب اپنے چھ غلام آزاد کر دیئے، اور اس کے پاس ان کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا، چنانچہ نبی کریم (ﷺ) نے غلاموں کو بلایا اور ان کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا پھر ان کے مابین "أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ" قرعہ اندازی کی، تو دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام بنائے رکھا، اور آپ ﷺ نے اس کے متعلق سخت الفاظ فرمائے۔ ❸

(ج) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر لوگ جان لیں کہ نداء (اذان و اقامت) اور صف اول میں کیا فضیلت ہے: پھر اگر ان کے حصول کے لیے قرعہ اندازی کرنی پڑے تو وہ ضرور قرعہ اندازی کریں گے۔ ❹

---

❶ قواعد ابن رجب 427۔ ❷ بخاری: 2688۔ مسلم: 2443/840۔

❸ مسلم: 1668/56۔ نسائی: 64/4 ح 1960۔ ابو داؤد: 3960۔

❹ بخاری: 615۔ مسلم: 437/129۔

(د) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم پر قسم پیش کی تو انھوں نے (قسم اٹھانے میں) جلدی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا "أَنْ يُسْهَمَ بَيْنَهُمْ" کہ قسم کے معاملہ میں ان پر قرعہ ڈالا جائے کہ ان میں کون حلف اٹھائے گا۔ ❶

(ذ) ام سلمہ رضی اللہ عنہا دو آدمیوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں: جنھوں نے میراث کے متعلق آپ کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا۔ ان دونوں کے پاس کوئی دلیل و گواہی نہیں تھی۔ ان دونوں کا محض دعوی ہی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جس آدمی کو اس کے (مسلمان) بھائی کے حق میں سے کچھ دے دوں تو (درحقیقت) میں اس کو (جہنم کی) آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔ (یہ سن کر) دونوں میں ہر ایک عرض کرنے لگا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرا یہ حق میرے ساتھی کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایسے) نہیں، تم دونوں جاؤ اور انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے تقسیم کرلو، "ثُمَّ اسْتَهِمَا" پھر دونوں قرعہ اندازی کرو پھر تم دونوں میں سے ہر ایک اپنا حصہ اپنے ساتھی کے لیے حلال قرار دے۔ ❷

(ر) نعمان بن بشیر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حدود میں سُستی برتنے والا اور اس میں واقع ہو جانے والے کی مثال ایک ایسی قوم کی سی ہے۔ جس نے ایک کشتی (پر سفر کرنے کے لیے جگہ کے بارے میں) قرعہ اندازی کی۔ پھر نتیجے میں کچھ لوگ نیچے سوار ہوئے اور کچھ اوپر۔ نیچے کے لوگ پانی لے کر اوپر کی منزل سے گزرتے تھے۔ اور اس سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس خیال سے نیچے والا ایک آدمی کلہاڑی سے کشتی کا نیچے کا حصہ کاٹنے لگا (تاکہ نیچے ہی سے سمندر کا پانی لے لیا کرے) اب اوپر والے آئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ تم لوگوں کو (میرے اوپر آنے جانے سے) تکلیف ہوتی تھی اور میرے لیے بھی پانی ضروری تھا۔ اب اگر انھوں نے نیچے والے کا ہاتھ پکڑ لیا تو اسے نجات دی اور خود بھی نجات پائی۔ لیکن اگر اسے یوں ہی چھوڑ

---

❶ بخاري: 2674.

❷ ابو داؤد: 3584-3585 (حسن)

دیا، تو انہیں بھی ہلاک کیا اور خود بھی ہلاک ہو گئے۔ ❶

(ھ) خارجہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کی رشتہ دار ایک ام علاء نامی عورت جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت بھی کی تھی انہیں خبر دی کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے یہاں ٹھہرانے کے لیے قرعے ڈالے تو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا قیام ہمارے حصے میں آیا الخ۔ ❷

فوائد 1:......قرعہ کیوں ڈالا جاتا تھا، یا کیسے ڈالا جائے؟

اس کا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں ہے چاہے پرچیاں ڈال دی جائیں۔ چاہے کنکریاں ڈالی جائیں وغیرہ۔

(2) قرعہ ڈالنا مشروع ہے جس کا نام نکل آئے اس کا حق شرعاً ثابت ہو جاتا ہے۔

(3) قرعہ میں جس بیوی کا نام نکل آئے تو دوسری بیویوں کے ایام کی قضاء لازم نہیں ہو گی کیونکہ اس میں قرعہ والی بیوی کا ضرر ہے۔

(4) اگر دوبارہ سفر کا ارادہ بنے تو قرعہ دوبارہ ڈالا جائے گا۔ البتہ اب کی بار پہلی کو جس کا پہلے سفر میں قرعہ میں نام نکلا تھا۔ اس قرعہ میں شامل نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ گزشتہ سفر میں اپنا حق لے چکی ہے۔ دوسرا یہ کہ دوسری مرتبہ قرعہ میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کا نام دوبارہ نکل آئے کہ جس سے باقی ازواج کا حق مارا جائے گا۔

❶ بخاری باب القرعة فی المشكلات۔ رقم: 2686.

❷ بخاری: 2687.

قاعدہ 68

مَنْ تَعَجَّلَ الشَّيْئَ قَبْلَ أَوَانِهٖ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِهٖ.

''جو آدمی کسی شئ کو قبل از وقت حاصل کرنا چاہے اسے اس شئ سے محرومی کی سزا دی جائے گی۔''

تشریح

یعنی جب کوئی آدمی حرام طریقہ سے کسی شئ کو جلدی حاصل کرنا چاہے تو اس کو اس شئ سے محروم رکھا جائے گا۔

مثال 1:......لہٰذا جو آدمی میراث پانے کی غرض سے اپنے مورث کو قتل کر دیتا ہے تو وہ مورث کی میراث سے محروم کر دیا جائے گا۔

مثال 2:......اسی طرح موصی لہ قتل کر دیتا ہے موصی کو تاکہ وصیت کی ہوئی چیز کو جلد پا لے تو موصی لہ کو اس سے محروم رکھا جائے گا۔

نوٹ:......اس قاعدہ محرومی کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا بلکہ مطلق رکھا گیا ہے حالانکہ اس قاعدہ کے لیے یہ قید معتبر ہے کہ یہ قتل کرنا بصورت قصاص یا کسی دیگر شرعی حق کی بناء پر واقع نہ ہوا ہو۔

قاعدہ 69

مَنْ سَقَطَتْ عَنْهُ الْعُقُوبَةُ لِمَانِعٍ ضُوعِفَ عَلَيْهِ الْغُرْمُ.

”جس آدمی سے کسی مانع پائے جانے کی وجہ سے سزا ساقط ہو جائے اس پر تاوان دوگنا ڈالا جائے گا۔“

تشریح

جب مانع پائے جانے کی وجہ سے سزا ساقط ہو جائے تو معصیت کرنے والے پر تاوان دوگنا کیا جائے گا۔

مثال :...... جو آدمی محفوظ مقام سے مال چرائے تو اس پر تاوان دوگنا کیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لٹکی کھجور کے بارے پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا:

((مَنْ أَصَابَ بِفِيْهِ مِنْ ذِیْ حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَیْءَ عَلَيْهِ، وَمَنْ خَرَجَ بِشَیْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ الْغُرَامَةُ وَالْعُقُوبَةُ.)) [1]

”جو کسی حاجت مند نے (ان کھجوروں میں سے کچھ) منہ میں ڈال لیں (یعنی توڑ کر ان کو کھا گیا) البتہ ان کو اپنے نیفے میں نہ اڑسا اور نیفے میں اڑس کر چھپا کر نہ لے گیا) تو اس پر کچھ تاوان نہ آئے گا اور جو ان کھجوروں میں سے کچھ (چھپا کر اور کچھ نیفے میں اڑس کر) نکلا تو اس پر (ان کھجوروں کا) ضمان بھی آئے گا اور عقوبت بھی آئے گی یعنی وہ ان کھجوروں کی قیمت بھی دے گا اور اسے تعزیری سزا بھی دی جائے گی۔“

اس پر تاوان ڈبل کیا جائے گا کیونکہ اس نے غیر محفوظ مقام سے مال چرایا ہے۔ کیونکہ اس جگہ مانع موجود ہے وہ ہے غیر محفوظ مقام سے مال چرانا جبکہ قطع ید کی شرط محفوظ مقام سے

[1] ابوداود: 4390، نسائی: 4958، والحافظ فی بلوغ المرام: 1236، وھو حسن.

مال چرانا ہے۔

مثال 2:...... گمشدہ اونٹ کو چھپا لینا۔ کیونکہ جس آدمی کو گمشدہ اونٹ ملے تو اس کے ذمہ ایک سال کی مدت تک اس کی تشہیر اور اعلان کرنا واجب ہے، جس کو گمشدہ اونٹ ملے تو وہ اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ بلکہ اس کو چھوڑ دے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔ زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے گمشدہ اونٹ کے بارے میں پوچھا گیا آپ ﷺ نے فرمایا: مَالَكَ وَلَهَا؟ کیا ہے تیرے لیے اور اس کے لیے۔ تو اس کو چھوڑ دے اس کے ساتھ اس کی پانی کی مشک اور اس کا جوتا ہے وہ پانیوں پر آتا جاتا ہے اور درختوں کے پتے کھاتا ہے یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پالے جب کوئی گمشدہ اونٹ کو پکڑے اور چھپا لے تو اس پر ڈبل تاوان ہوگا کیونکہ اس نے نافرمانی کی ہے کہ اس نے اعلان نہیں کرایا۔ یا اس نے اونٹ کو پکڑ لیا ہے کیونکہ آپ نے منع کیا ہے۔ [1]

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گمشدہ اونٹ کو نہ پکڑا جائے، بلکہ اس کو چھوڑ دو وہ خود درختوں سے چر لے گا۔ اور پانی پر جا کر خود ہی پانی پی لے گا، حتیٰ کہ اس کا مالک اس کو مل جائے گا اور اس کو پکڑ لے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ کی طبیعت میں پیاس برداشت کرنا ہے۔ اور درختوں سے پتے وغیرہ چرنے پر قدرت ہے کیونکہ اس کی گردن لمبی ہے۔ گمشدہ اونٹ کو نہ پکڑنے پر عمل ہمیشہ تھا۔ جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا۔ تو انہوں نے گمشدہ اونٹ کو پکڑنا اور فروخت کرنا مناسب جانا۔ حتیٰ کہ اونٹ کا مالک آتا تو وہ اس کی قیمت وصول کر لیتا۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا انہوں نے گمشدہ اونٹوں کے لیے ایک حویلی تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ گمشدہ اونٹوں کو اس میں رکھا جائے اور ان کو اتنا چارہ ڈالا جائے کہ نہ وہ موٹے ہونے پائیں اور نہ ہی کمزور ہوں۔ پھر جب اس کا مالک کوئی گواہ یا بینہ پیش کرتا تو وہ اونٹ لے جاتا ورنہ اسی حویلی میں باقی رکھا جاتا۔ [2]

---

[1] القواعد الفقهيه، لابن عثيمين: 81-82، احمد: 180، مالك في كتاب الاقضية، حديث: 46، مسلم في كتاب اللقطة حديث: 1722/1، بخاری 2372.

[2] القواعد الفقهيه، لابن عثيمين رحمه الله: ص 81، حاشيه: 2.

قاعدہ 70

مَا اُبِينَ مِنَ الْحَيِّ فَهُوَ كَمَيْتَةِ ذَالِكَ الْحَيِّ فِي الطُّهْرِ وَالْحِلِّ.

"جو چیز زندہ سے الگ کر لی جائے تو وہ اس زندہ کے مردار ہونے کی طرح ہے طہر میں اور حلال ہونے میں۔"

تشریح

یعنی جب جانور ایسا ہو جو مردہ حالت میں بھی حلال ہے جب اس جانور کا کوئی عضو کاٹا جائے تو حلال ہوگا۔ مثلاً مچھلی، اگر کوئی آدمی سمندر میں بہت بڑی مچھلی پائے پھر اس کا کوئی حصہ کاٹ لے تو وہ کاٹا ہوا حصہ حلال ہے، کیونکہ مردار مچھلی حلال ہے، اگر آدمی کے جسم سے کوئی حصہ الگ کر لیا جائے تو وہ پاک ہے کیونکہ آدمی مردہ حالت میں پاک ہے اگر کوئی عضو کاٹ لیا جائے تو کاٹا ہوا عضو طاہر ہے کیونکہ آدمی مردہ حالت میں طاہر ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔

مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيْمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيِّتٌ. [1]

"جو چوپائے (کے بدن) سے اس کے زندہ ہونے کی حالت میں (بدن کا) جو (حصہ) کاٹ لیا جاتا ہے وہ مردار (کے حکم میں) ہے۔"

زندہ جانور کے بدن سے کاٹے گوشت کا حکم:

اس حدیث میں بنیادی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایک زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لیا جائے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو اس جانور کے مردار ہونے کے وقت کا ہوتا ہے۔

---

[1] احمد: 218/5، ابوداود: 2858، ترمذی: 1470، دارمی: 2018، حدیث صحیح ہے۔

اوپر ذکر کردہ قاعدہ سے درج ذیل جزئیات ثابت ہوئیں: (1) اگر حیوان مر جانے کے بعد نجس ہو جاتا ہے تو وہ کاٹا ہوا حصہ بھی نجس ہوگا۔ (2) اگر وہ حیوان مر جانے کے بعد حلال اور طاہر ہوتا ہے تو یہ کاٹا ہوا حصہ بھی پاک ہوگا، طاہر ہوگا۔ (3) اگر وہ حیوان مر جانے کے بعد طاہر مگر غیر حلال ہوتا ہے تو یہ مقطوع حصہ بھی طاہر اور غیر حلال ہوگا مثلاً انسان کہ اس کا مردہ طاہر مگر غیر حلال ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان کے بدن سے زندہ ہونے کی حالت میں جو حصہ کاٹ لیا جائے گا۔ جیسے بال اور ناخن تو وہ بھی طاہر مگر غیر حلال ہوں گے۔ (5) زندہ مچھلی اور ٹڈی کے بدن سے جو حصہ کاٹ کر الگ کر لیا جائے وہ حلال اور طاہر ہوگا کیونکہ مچھلی کا مردار طاہر اور حلال ہوتا ہے۔ (6) اور انسانی بدن سے جو کاٹ کر الگ کیا جائے گا وہ طاہر مگر غیر حلال ہوگا۔ [1]

---

[1] فتح ذی الجلال والاکرام شرح بلوغ المرام، از محمد بن صالح العثیمین: ج 111/1.

قاعدہ 71

كَانَ تَأْتِي لِلدَّوَامِ غَالِبًا.

”کان اکثر دوام کے لیے آتا ہے۔“

تشریح

کان اکثر دوام کے لیے آتا ہے مثلاً تم کہو: كَانَ فَلَا يَفْعَلُ كَذَا ، تو یہ اس فعل کے دوام پر دلالت کرتا ہے لیکن غالباً۔

جب نبی کریم ﷺ سے روایت کرنے والا کہتا ہے:

كَانَ يَفْعَلُ كَذَا اور: كَانَ يَقُوْلُ كَذَا۔ كَانَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ كَانَ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ قَالَ: غُفْرَانَكَ . [1]

جب آپ ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ کہتے اور جب نکلتے تو کہتے غفرانك تو یہ دوام کے لیے ہے۔ اور کبھی غیر دوام کے لیے آتا ہے کسی قرینہ کی وجہ سے مثلاً نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور غاشیہ تلاوت کرتے نماز جمعہ میں۔ اور دوسری حدیث میں ہے:

((كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْجُمُعَةِ

---

[1] بیت الخلاء میں داخل ہونے کی حدیث، احمد: 369/4، ابوداود: 6۔ ابن ماجہ: 291، اور بیت الخلاء سے نکلنے کی حدیث: احمد: 55/6 ابوداود: 30، حاکم: 158/1، قال هذا حديث صحيح واقره الذهبی۔

وَالْمُنَافِقِيْنَ. [1]

دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز جمعہ میں سورہ جمعہ اور منافقون تلاوت فرماتے۔ ان احادیث میں کـــــان کا لفظ دوام کے لیے نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے چاروں سورتیں ایک ہی جمعہ میں تلاوت نہیں فرمائی۔ کبھی سورۂ اعلیٰ اور غاشیہ تلاوت کرتے کبھی سورۂ جمعہ اور منافقون تلاوت کرتے۔

[1] غاشیہ کی قراءت والی حدیث مسلم کتاب الجمعہ، رقم: 878 سورت جمعہ کی قراءت والی حدیث مسلم کتاب الجمعہ، رقم: 877 ہے۔

قاعدہ 72

صِيَغُ الْعُمُوْمِ.

"وہ صیغے جو عموم کے لیے آتے ہیں۔"

تشریح

عموم، جمع مضاف کی مانند ہے اور اسی طرح مفرد مضاف، عموم کے لیے آتا ہے۔

مثال:...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ﴾ (النحل: 16/ 18)

"اگر تم شمار کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کو نہیں شمار کر سکتے۔"

اس آیت میں لفظ نعمت، مفرد مضاف ہے یہ ہر نعمت کو عام ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کہا: لَا تُحْصُوهَا کہ تم اس کو شمار نہیں کر سکتے۔

جب آدمی کہے عَبْدِیْ حُرٌّ میرا غلام آزاد ہے۔ اور کسی خاص غلام کی نیت نہ کرے۔ تو یہ مثال اس کے تمام غلاموں کو عام ہوگی۔ اور اسی طرح جمع کا صیغہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ﴾ (النور: 24/ 32)

اس مثال میں عِبَادِكُمْ اور إِمَائِكُمْ کا لفظ ہر غلام اور ہر لونڈی کو شامل ہے۔ جب کوئی آدمی کہے۔ أَعْتَقْتُ عَبْدِیْ میں نے اپنے غلام کو آزاد کیا۔ یہ اس کے ہر غلام کو شامل ہے اور جب کہے: أَعْتَقْتُ إِمَائِیْ میں نے اپنی لونڈیاں آزاد کیں، یہ اس کی ہر لونڈی کو شامل ہوگا۔ جب آدمی کہے: طَلَّقْتُ نِسَائِیْ ، میں نے طلاق دی اپنی عورتوں کو۔ تو یہ اس کی ہر بیوی کو شامل ہے اور اسی طرح اسمائے شروط، اور اسمائے موصول، سب کے سب عموم

کے لیے آتے ہیں۔

مثال:......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾

(الزمر:33/39)

اس مثال میں لفظ: الَّذِیْ: مفرد ہے اور عام ہے کیونکہ یہ اسم موصول ہے اور اسم موصول عموم کے لیے ہوتا ہے۔ اگر چہ مفرد ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لیے آگے اس کی خبر: هُمُ الْمُتَّقُوْنَ: جمع لائی گئی ہے۔ اور اسی طرح اسماء شرط بھی عموم کا فائدہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (الطلاق:11/65)

اس مثال میں: مَنْ: اسم شرط ہے اور ہر اس آدمی کو عام ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ اس کی دلیل: خٰلِدِيْنَ فِيْهَا: کے الفاظ ہیں جو جمع لائے گئے ہیں۔

مثال:...... جب تم کہو: اَكْرِمْ مَنْ فِی الْبَيْتِ: تو عزت کر ان کی جو گھر میں ہیں۔ اس مثال میں: مَنْ: کا لفظ عام ہے۔ تو اکرام میں سب لوگ آئیں گے جو گھر میں موجود ہوں گے چاہے چھوٹے اور بڑے ہوں۔ مرد ہوں یا عورتیں ہوں۔ آزاد ہوں غلام ہوں سب کو عام ہے کیونکہ: مَنْ: اسم موصول ہے اور اسم موصول عموم کے لیے آتا ہے۔

قاعدہ 73

اَلنَّكِرَةُ فِى الْإِثْبَاتِ لَا تَكُونُ لِلْعُمُومِ.

”نکرہ اثبات کے تحت عموم کے لیے نہیں ہوتا۔“

تشریح

نکرہ جب جملہ مثبت میں آئے تو وہ عموم کے لیے نہیں ہوتا بلکہ وہ مطلق ہوتا ہے۔

مثال:...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا﴾ (المجادلہ: 3/58)

اس آیت میں: رَقَبَةٍ: کا لفظ اثبات کے سیاق میں ہے تو یہ مطلق ہوگا۔

مطلق اور عموم میں فرق:

اطلاق کا عموم بدلی ہوتا ہے جبکہ عموم کا عموم شمولی ہوتا ہے۔ یعنی عام اپنے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے جبکہ مطلق اپنے افراد میں سے کسی ایک کو بلاقید شامل ہوتا ہے۔

اس کے برعکس اگر نکرہ نفی یا نہی کے بعد آئے تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ نکرہ کا نفی کے بعد واقع ہونے کی مثال: ﴿وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ﴾ (آل عمران: 62/3) اس مثال میں: إِلَٰهٍ: نکرہ ہے اور مَا نفی کے بعد آیا ہے تو یہ ہر اس معبود کو شامل ہے جن کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا کی جاتی ہے۔ یعنی وہ الہٰ نہیں ہیں مگر اللہ تعالیٰ۔ اور نہی کے بعد نکرہ کے واقع ہونے کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ (النساء: 36/4)

اس مثال میں: شَيْئًا: کا لفظ نکرہ ہے نہی کے بعد واقع ہے اور یہ ہر شئی کو عام ہے۔

یہ وہ مقامات ہیں جن میں نکرہ عموم کے لیے آتا ہے لیکن جب نکرہ اثبات میں آئے وہ

اطلاق کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ گزر گیا ہے۔ اور بسا اوقات نکرہ انعام کا فائدہ دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نکرہ بیان امتنان کے لیے لاتے ہیں بشرطیکہ وہ نکرہ ایک نعمت ہو۔

مثال:...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا﴾ (النحل: 80/16)

''اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں میں سکونت کی جگہ بنا دی ہے اور اسی نے تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں کے گھر بنا دیئے ہیں۔''

اس آیت میں :سَكَنًا: اور :بُيُوْتًا: کے الفاظ نکرہ ہیں اور مقام امتنان میں ہیں۔ ان نکرات سے مقصود اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر انعام بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سکون ثابت رکھا ہے اور سکون ...... یعنی چمڑے کے خیمے جنہیں تم سفر میں آسانی کے ساتھ اٹھائے پھرتے ہو اور جہاں ضرورت پڑتی ہے اسے تان کر موسم کی شدتوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے ہو اور سکون اختیار کرتے ہو۔

﴿يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ۝۸۰﴾ (النحل: 80/16)

''اور اپنے ٹھہرنے کے دن بھی اور ان کی اون اور روؤں اور بالوں سے بھی اس نے بہت سامان اور ایک وقت مقررہ تک کے لیے فائدہ کی چیزیں بنائیں۔''

اس میں :اَثَاثًا: کا لفظ نکرہ ہے تحت الاثبات ہے اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کا انعام سے نوازنے کا بیان ہے۔

قاعدہ 74

اَلْعِبْرَةُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوْصِ السَّبَبِ.

"اعتبار لفظ کے عموم کا ہوگا نہ کہ سبب نزول کے خاص واقعہ کا۔"

تشریح

یعنی جس وقت لفظ عام ہو اور اس کا سبب خاص ہو تو اس کو عموم پر ہی محمول کیا جائے گا۔ سبب کے ساتھ خاص نہیں رکھا جائے گا۔

مثال 1:......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ ﴾ (المجادلہ: 2/58)

"تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یعنی ان کو ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی مائیں وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے۔"

یہ آیت عام ہے اور سبب خاص ہے۔ اعتبار عموم لفظ کا ہے خصوص سبب کا نہیں۔

مثال 2:......سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ کسی آدمی نے کسی غیر عورت سے بوس و کنار کیا۔ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے اپنا ماجرا بیان کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ﴾ (ھود: 114/11)

"اور دن کے دونوں سروں میں نماز برپا رکھو اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی یقیناً

نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے۔"

اس آدمی نے کہا کیا یہ حکم میرے لیے ہے اے اللہ کے رسول ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا: لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي ، آپ نے کہا بلکہ ہر اس آدمی کے لیے میری امت سے جو یہ کام کرے، مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا کیا یہ حکم صرف اسی آدمی کے ساتھ خاص ہے؟ آپ نے فرمایا: بَلْ لِلنَّاسِ كَافَّةً ، بلکہ سب لوگوں کے لیے ہے۔ ❶

اس کی امثلہ اور بھی ہیں۔ اسی قاعدہ کو شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے یوں نظم کیا ہے:

وَاعْتَبِرَ الْعُمُوْمَ فِي نَصٍّ أُثِرْ

أَمَّا خُصُوصُ سَبَبٍ فَمَا اعْتُبِرْ

منقول نص میں عموم کا اعتبار کر خصوص سبب کا اعتبار نہ کر۔"

مَا لَمْ يَكُنْ مُتَّصِفًا بِوَصْفِ

يُفِيدُ عِلَّةً فَخُذْ بِالْوَصْفِ

"یعنی جب تک وہ سبب کسی وصف کے ساتھ متصف نہ ہو جو وصف علت کا فائدہ دیتا ہو تو پھر وصف کو لے لو۔"

اس شعر میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ سبب کسی ایسے وصف کے ساتھ متصف نہ ہو جس پر حکم کا دارومدار ہے۔ تو اس وصف کو لیا جائے گا۔

مثال:...... نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ)) ❷

"سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔"

---

❶ مسلم، كتاب التوبة، باب قوله تعالى ان الحسنات يذهبن السيأت، ج 7، رقم الحديث: 6999، 7000.

❷ بخاري: 1946، مسلم: 1115/92.

دوران سفر روزہ رکھنے سے نیکی کی نفی کرنا۔ یہ ایک مخصوص حالت کے ساتھ مقید ہے۔
وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی ان میں ایک آدمی تھا جس پر سایہ کیا گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ آدمی روزہ دار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دوران سفر روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ یعنی دوران سفر کوئی آدمی روزہ رکھے تو یہ نیکی نہیں ہے بشرطیکہ وہ آدمی اس حالت تک پہنچ جائے۔ لیکن جس آدمی کو اس طرح کی مشقت نہ ہو تو اس آدمی کا روزہ رکھنا نیکی ہے نبی کریم ﷺ نے سفر میں روزہ رکھا اسی طرح آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ان میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض غیر روزہ دار۔

قاعدہ 75

اَلْعَامُ يُخَصَّصُ بِالْخَاصِ

''عام کو خاص کے ساتھ مخصص کیا جائے گا۔''

تشریح

یعنی عام کو خاص کے ساتھ مخصص کیا جائے گا۔ اسی طرح مطلق کو مقید کے ساتھ مقید کیا جائے گا۔

یعنی جب نص عام آ جائے پھر دوسری نص آ جائے جو خاص کرتی ہو یعنی اس سے بعض افراد کو خارج کر دے دونوں دلیلوں پر عمل واجب ہے۔

عام کی مثال:...... نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

((فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ.)) [1]

''بارانی زمینوں میں عشر ہے۔''

اس حدیث میں فیما سقت السماء کے الفاظ عام ہیں، اس میں کہ ہر وہ زمین جس کو آسمان پانی پلائے قلیل ہو اور کثیر ہو یا مکیل اور غیر مکیل ہو۔ اس میں عموم اس طرح ہے کہ :فیما: میں :ما: اسم موصول ہے لیکن یہ عام ہے اس کو نبی کریم ﷺ کے اس فرمان: لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسِقٍ صَدَقَةٌ کے ساتھ خاص کیا جائے گا۔ [2]

پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور خمسة اوسق، کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر موسق مثلاً سبزیاں وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

---

[1] مسلم فی الزكوة: 981/7.

[2] مسلم فی الزكوة: 980/6.

مقید:

اسی طرح مقید ہے۔ جب ایک نص مطلق ہو اور دوسری نص مقید ہو تو اس مطلق نص کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

مثال:...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے آیت ظہار میں ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا﴾ (المجادلہ: 3/58) ایک گردن آزاد کرنا ہے جماع سے پہلے۔ اس آیت میں رَقَبَةٍ کا لفظ مطلق ہے وہ گردن مومنہ ہو یا کافرہ ہو صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قتل کی آیت میں ﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ (النساء: 92/4) اس آیت میں :رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ: کے ساتھ مقید کیا جائے گا۔

استثنائی صورت:

جب عام کے بعض افراد کو خاص کیا جائے جبکہ وہ خاص فرد حکم میں افراد عام کے حکم کے مخالف نہیں بلکہ حکم میں موافق ہے تو اس میں تخصیص نہیں کی جا سکتی۔

مثال:...... مثلاً جب تم کہو: اَكْرِمِ الطَّلَبَةَ تو طلباء کی عزت کر پھر تو کہہ دے اَكْرِمْ زَيْدًا تو زید کی عزت کر جبکہ زید طلباء میں سے ہی ہے یہ تخصیص کا تقاضا نہیں کرتی کہ صرف زید کی ہی عزت کی جائے۔ کیونکہ عام کے بعض افراد کو ذکر کرنا جو حکم میں عام کے موافق ہے تو اصولیوں کے ہاں اس میں تخصیص کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کتاب اضواء البیان وغیرہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

أعاذنا الله سبحانه من جميع أهوالها بمنه وكرمه وإحسانه

وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وعلى آله

وصحبه أجمعين والحمد لله رب العالمين.

آمين آمين لا أرضى بواحدة

حتى أكمل ألف ألف آمينا

ہماری دیگر تحقیقی علمی کتب

دارالابلاغ
کتاب و سنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ